نشاطِ کرب

پاشا رحمٰن



نشاطِ کرب

پاشا رحمٰن

اردو اکیڈمی [redacted]-کراچی

طبع اوّل ۔ ایک ہزار
کتابت ۔ ابو محمد حسینی
سال اشاعت ۔ ۱۹۷۸ء
مطبع ۔ مینا پریس پبلشنگ ہاؤس لمیٹڈ کراچی
قیمت ۔

اپنے محترم استاد

جناب حسن رضا دائروی کے نام

فہرست



میری پیدائش صوبہ بہار کے دارالحکومت عظیم آباد میں ہوئی لیکن میں نے اپنی تعلیم ڈھاکہ میں مکمل کی۔ رحمت اللہ ماڈل ہائی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد میں نے قائدِ اعظم کالج سے گریجویشن کیا، گریجویشن کرنے کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی سے میں نے ایم۔ اے کیا۔ ڈھاکہ گورنمنٹ کالج کا شمار ملک کے بہترین کالجوں میں ہوتا تھا۔ میں تقریباً ساڑھے تین سال وہاں پروفیسر رہا۔ میں نے مشرقی پاکستان کے مشہور روزنامہ "مارننگ نیوز" میں بھی سب ایڈیٹر کی حیثیت سے چند مہینوں کام کیا۔ اسی دوران میں اعلیٰ ملازمتوں کے امتحان میں بیٹھا اور اس میں کامیاب ہو کر مرکزی حکومت کے ایک محکمہ سے منسلک ہو گیا۔

مجھے ادب سے شروع ہی سے دلچسپی رہی۔ شاعری کا بھی شوق رہا۔ ادبی ذوق پیدا کرنے میں میرے اسکول کی فضا کا بہت زیادہ حصہ تھا جہاں نہایت ہی قابل اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس اسکول سے ایک ماہنامہ "شاہین" کے نام سے نکلتا رہا اور اس ماہنامہ نے بھی اس فضا کو سازگار بنانے میں بڑی مدد دی۔

میں شعر کہتا ضرور تھا لیکن مجھے سنانے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اگر نشستوں اور محفلوں میں کبھی اشعار سنائے تو بعض احباب نے کچھ ایسی تنقیدیں کیں کہ دل ٹوٹ گیا اور شاعری ترک کردی۔ میرے نہایت ہی محترم استاد جناب حسن رضا دائروی نے مجھے نہ صرف فنِ شاعری سے آشنا کیا بلکہ ہمیشہ ہمت افزائی کرتے رہے۔ وہ ترکِ شاعری کے بعد بھی مجھے شعر گوئی کی ترغیب دیتے رہے۔ حسن رضا صاحب کا خاص میدان تو تحقیق و تفتیش ہے لیکن وہ شاعر بھی ہیں اور فنِ شاعری پر استادانہ عبور رکھتے ہیں۔ میں نے اُن کی ذاتی لائبریری دیکھی ہے جس میں سیکڑوں مخطوطے اور تذکرے ہیں۔ اُن کے تحقیقی مقالے بھی میری نظر سے گذرے ہیں جو آج تک کہیں نہ چھپ سکے۔ نہ چھپنے کی وجہ تو یہ تھی کہ وہ چھپوانا بھی نہیں چاہتے اس لئے کہ وہ اپنے کام سے کبھی مطمئن نہیں رہے۔ دوسری وجہ ان کی مالی مجبوریاں تھیں۔ تیسری وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کبھی کسی "انجمن ستائشِ باہمی" کے رکن ہی نہیں رہے اس لئے کسی ادبی رسالہ اور ادبی حلقے نے انہیں قابلِ اعتناً نہیں سمجھا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان کے مقالے چھپ جاتے تو اُن کا شمار صفِ اوّل کے ممتاز محققوں میں ہوتا ہے۔ برصغیر کے ممتاز محققین حسن رضا صاحب کے مدّاح رہے ہیں میں نے ان حضرات کے خطوط حسن رضا صاحب کے نام دیکھے ہیں، حسن رضا صاحب آج بھی ڈھاکا کی نواحی بستی میرپور میں گمنامی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

میں نے اپنی یہ ناچیز تخلیق اُنہیں کے نام معنون کی ہے تاکہ کچھ قرض تو اُتر سکے اور بس کسی حد تک نذرانۂ عقیدت پیش کرسکوں۔

میری شاعری پر دو واقعات نے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔

اوّل تو وہ ناکامیاں، نامرادیاں، حسرتیں، صعوبتیں، پریشانیاں، مشکلیں اور کسک جو میرا مقدر بن گئیں۔ دوم مشرقی پاکستان کے سقوط کا اندوہناک سانحہ ——! قیام پاکستان کے لئے اس قوم نے کیا کیا قربانیاں نہیں دیں اور ان قربانیوں کے بعد پاکستان حاصل ہوا تو اس کا ایک بازو کٹ گیا۔ اس سوہانِ روح حادثہ کی شدت کا احساس وہی کر سکتا ہے جو پاکستان سے بے پناہ عشق کرتا ہو اور اگر اس نے مشرقی بازو میں زندگی کے ایام گزارے ہوں تو یہ شدت اور بڑھ جاتی ہے۔ میں نے اپنی عمر عزیز کے بہترین دن وہیں بسر کئے ہیں۔ کتنی حسین یادیں، کتنے سہانے سپنے، کتنی لذّت انگیز حسرتیں اس سے وابستہ ہیں ——! آج بھی آنکھیں ان چہروں کو ڈھونڈتی ہیں، آج بھی ذہن وہاں کے کوچہ و بازار میں گھومتے ہیں، آج بھی خوابوں میں وہی لوگ نظر آتے ہیں ؏

جن کی ہر سانس سے آتی تھی حنا کی خوشبو

اور ہائے وہی لوگ ؏

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں۔

میں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی ——! اور نظموں میں مقفّٰی، معرّٰی اور آزاد تینوں صنفوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن میری محبوب ترین صنف غزل ہے۔ غزل کے خلاف حالی سے لے کر کلیم الدین تک بہت کچھ کہا گیا اور لکھا گیا اور کہا جائے گا۔ لیکن میں غزل کو اپنی

ثقافت کا عزیز ترین سرمایہ سمجھتا ہوں۔ جہاں غزل پر اور دوسری تنقیدیں کی گئیں ہیں وہاں یہ پھبتی بھی کسی گئی کہ غزل کا بڑا حصہ غم انگیز خیالات کا ترجمان ہے، اس پر قنوطیت کا عنصر غالب ہے اور یہ زندگی کی نفی کرتی ہے میرا خیال ہے کہ شیلے کی اس بات میں کتنی بڑی سچائی ہے کہ نغمے وہی شیریں ہوتے ہیں جو غم انگیز خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ سامی روایت ہے کہ سب سے پہلے شاعر آدمؑ تھے۔ آدمؑ کو اپنے بیٹے ہابیل سے بے پناہ محبت تھی۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ اس حادثہ کا آدمؑ کے دل و دماغ پر اس قدر گہرا اثر پڑا کہ انہوں نے ایسے اشعار کہے جو اُن کے گہرے رنج و غم کی عکاسی کرتے تھے۔ ہم اسے مرثیہ کہتے ہیں۔ اسی واقعہ کی طرف صائب نے اپنے مشہور شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

آں کہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود
طبع موزوں حجّتِ فرزندیٔ آدم بود

مولانا رومؒ نے مثنوی معنوی کی ابتدا میں جب یہ کہا تھا ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند
از جدائیہا شکایت می کند

تو اس کا مطلب یہ تھا کہ "حکایتِ زلیست" شکایتِ جدائی پر موقوف ہے۔ انسان ساری عمر اسی جدائی میں آنسو بہاتا ہے۔ اس کی نئے سے جو پُرسوز نغمے پھوٹتے ہیں وہ اس کے سچے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ غزل ہی نہیں پوری شاعری کرب ناک خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ میرے اشعار کا

ایک بہت بڑا حصہ ایسے تجربات پر موقوف ہے جن میں غم کا برملا اظہار کیا گیا ہے۔ مجھ پر اکثر احباب قنوطیت اور فراریت کا الزام لگاتے ہیں۔ لیکن کیا کیجیے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں، سچے جذبے کی ترجمانی ہوتی ہے میں مصنوعی جذبے کی شاعری کا قائل نہیں ہوں۔ شکسپیر نے دیوانہ، عاشق اور شاعر کی تعریف کچھ یوں کی ہے۔ دیوانے کے خیالات انتشار کا شکار ہوتے ہیں، عاشق کے خیالات فردِ واحد پر مرکوز ہوتے ہیں اور شاعر بقول شکسپیر

The poet's eye, in a frenzy rolling,
Doth glance from heaven to earth
from earth to heaven,
And as imagination bodies forth,
The forms of things unknown, the
poet's pen
Turns them to shapes and gives airy
Nothing a local habitation and a name.

شاعر کے احساسات کی دنیا میں مد و جزر اٹھتے ہیں وہ ان احساسات کو زبان دیتا ہے، ہئیت دیتا ہے اور صفحۂ قرطاس پر محبوس کر دیتا ہے یہ احساس کا سفر ذات سے شروع ہوتا ہے اور اجتماعیت پر ختم ہوتا ہے پہلے شاعر ذات کی ترجمانی کرتا ہے اور پھر احساسات کا سفر جتنا طویل ہوتا جاتا ہے اس کے فکر کا احاطہ اتنا وسیع ہوتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹتا ہے، تو وہ خون کے آنسو روتا ہے۔ اگر گنبدِ افراسیاب، پر اُلّو بولتا ہے تو اسے تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر دہلی لٹتی ہے تو وہ تڑپ اٹھتا ہے۔ اور اگر ویتنام میں خون اور آگ کی ہولی کھیلی

جاتی ہے تو چیخ اٹھتا ہے۔ الغرض انسانیت کی خاطر کبھی وہ سارتر کی شکل
میں، کبھی برٹینڈرسل کے روپ میں اور کبھی سولزنے نتسن کی آواز میں
سراپا احتجاج رہتا ہے۔ اس معاملے میں شاعر ہی وہ فرد ہے جو ہر جغرافیائی،
نسلی، طبقاتی اور نظریاتی امتیازات سے بلند ہو کر عظمت انسان کے گنگناتا ہے،
وہ ایک ایسے معاشرے کا خواب دیکھتا ہے جہاں مسرت ہی مسرت ہے
یہ شاعر ہی تو ہے جو

In the light of thought
Singing hymns unbidden
Till the world is wrought
To sympathy with hopes and fears it
heeded not.

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے شاعر کو "دیدۂ بینائے قوم"—— اور
آرنلڈ نے شاعری کو زندگی کی تنقید کہا ہے۔ لیکن یہ تنقید مشروط ہے
"شاعرانہ حقیقت پسندی"—— اور "شاعرانہ حسن" کے ساتھ——!
بڑی شاعری دل و دماغ اور روح کو متاثر کرتی ہے اور بقول کالرج، ہر
بڑا شاعر صرف شاعر ہی نہیں فلسفی بھی ہوتا ہے۔ شاعر کی ایک بڑی اچھی
تعریف شیلے نے کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "شاعری بہترین اور خوشگوار ترین
ذہنوں کی بہترین اور خوشگوار ترین دستاویز ہے۔" کم از کم میری شاعری
اس تعریف سے بہت قریب ہے ؎

گزاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں
اُنہیں کی یاد میری زندگی ہے

اس کا مطلب خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ میں خود کو بہترین

ذہنوں میں شمار کرتا ہوں۔ من آنم کہ من دانم ـــــ!

میں نے حتی المقدور اردو ادب، انگریزی ادب اور فارسی ادب کا براہ راست مطالعہ کیا ہے۔ اور دوسری زبانوں کے لٹریچر کو ترجموں کی مدد سے پڑھا ہے۔ میر کی درد بھری آواز، غالب کے کربِ آگہی، حافظ کی زندہ دلی و شاہد پرستی، رومی کے فلسفۂ عشق، اقبال کے نظامِ فکر، شیلے کی تندوتیزئے، شکسپیر کی شوکتِ خیال، کیٹس کے سوز میں ڈوبے ہوئے خوابناک لہجے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ ان کے علاوہ اس دور کے اردو کے شاعروں میں میرا جی، فیض اور اختر الایمان نے مجھ پر کافی گہرا اثر چھوڑا ہے۔ انگریزی کا شیلے ہو یا سنسکرت کا کالی داس، بنگلہ کا ٹیگور ہو یا فارسی کا رومی، جرمن کا گوئٹے ہو یا اردو کا اقبال، اور غالب، ان تمام حضرات میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ کہ وہ سب محبت کی زبان میں بولتے ہیں اور محبت کے بارے میں بولتے ہیں۔ اس لئے کہ یہی تو وہ بنیاد ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

آج انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر جن کھٹنائیوں اور الجھنوں کا شکار ہے اگر وہ محبت کا مسلک اپنا لے تو پھر نہ یہ انتشار رہے گا اور نہ یہ استحصال ـــــ! اصل مسئلہ محبت کا ہے اور میرا خیال ہے کہ شاعری کی بنیاد ہی محبت ہونی چاہئے۔

عشق جذبۂ محبت

کی شدت کا نام ہے۔ ایک دفعہ انسان گرفتارِ عشق ہو پھر اُس کا بیٹھنا، اُس کا اُٹھنا، اُس کا کھانا، اُس کا پینا، غرض کہ تمام افکار اور کردار معشوق کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں اور یہی وہ منزل ہے جسے میں فنا فی اللہ کی منزل کہتا ہوں اور اسی کی تعلیم قرآن حکیم نے یوں دی ہے "اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" اللہ سے شدت سے محبت کرو۔ میر نے خوب کہا ہے ؎

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہبِ عشق اختیار کیا

اور یہی منزل تھی جہاں خسرو پکار اٹھا ؎

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنّار نیست

لیکن یاد رکھیے کہ اگر محبت کے جذبہ کو جنسی جبلّت سے آگے بڑھنے نہ دیا گیا اور اگر اُسے کھلا چھوڑ دیا گیا تو وہ انسان کے ذہن اور روح میں فساد برپا کر دیتا ہے اور آہستہ آہستہ معاشرہ کی جڑیں کھوکھلی کر دیتا ہے ہکسلے نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ محبت تو ملکوتی جذبہ ہے اگر ہم صرف ایک دوسرے کو برداشت کر لیں تو ہمارے انفرادی اور اجتماعی بہت سارے مسائل حل ہو جائیں ——— اور خود قوتِ برداشت بھی عشق ہی کا دین ہے اسی لئے تو اسے کبھی اقبال نے خدا کا رسول، اور کبھی خدا کا کلام کہا ہے۔ اُس کی آئیڈیل دنیا عشق اور عقل کی آمیزش سے بنتی ہے۔

نعت



میں ہوں ذرّہ تو ہیں خورشید رسولِ عربیؐ
میں ہوں فانی تو ہیں جاوید رسولِ عربیؐ

روزِ محشر مری بخشش بھی یقیناً ہوگی
ہیں مرے قبلۂ امید رسولِ عربیؐ

ہاں بلا خوف و خطر مسلکِ بوجہلی کی
آپ کرتے رہے تردید رسولِ عربیؐ

راہِ پرخار بھی کٹ جائے گی انشاءاللہ
آپ کی چاہیئے تائید رسولِ عربیؐ

سر پہ سورج ہو مرے پیر ہوں انگاروں پر
آپ ہی کی کروں تقلید رسولِ عربیؐ

ایک پیمانِ وفا آپ سے باندھا تھا کبھی
آج پھر کرتا ہوں تجدیدِ رسولِ عربیؐ

مُصحفِ عشق کہ ہے قصہ شوریدہ سراں
ہر حکایت کی ہیں تمہیدِ رسولِ عربیؐ

میری بھی سمت کبھی ایک نگاہِ الطاف
مجھ کو بھی جرعۂ توحیدِ رسولِ عربیؐ

منقبت

میں خاکِ پائے ابوبکرؓ و ابن الخطابؓ
میں ہوں گدائے درِ ہاشمی و مطّلبی

بحکمِ حضرتِ عثمانؓ قلبِ مستغنی
مرا خزینۂ دانش بفیضِ مولا علیؓ

حسین ابن علی

حسین ابنِ علی وہ چراغِ مصطفوی
ہے جن کے دم سے ہراساں شرارِ بولہبی

وہ ایک نورِ مجسّم وہ پیکرِ خورشید
ہے جن سے آج بھی خائف وجودِ تیرہ شبی

نکل پڑے کہ تقاضائے عشق تھا ورنہ
خبر تھی ان کو رہِ شوق کی وہ جاں طلبی

وہی ہے بے سروسامانیٔ جنوں کیشاں
وہی ہے آج بھی اہلِ وفا کی تشنہ لبی

شبِ سیاہ میں قندیلِ دشت اہلِ وفا
اُنہیں کا جذبۂ راسخ اُنہیں کا عزمِ قوی

وہی ہوئے ہیں زمانہ میں زندۂ جاوید
جو تھے گدائے درِ ہاشمی و مطّلبی

سُنو تو میرے ندیمو! سُنو تو ہم نفسو!
یہ ایک بات قلندر نے رات خوب کہی

"ہر ایک دَور کے آقا یزید و ابنِ زیاد
ہر ایک دَور کا حاصل حسین ابنِ علیؓ"

غزل

اک شخص جو اس عہد میں گردن زدنی ہے
وہ سینۂ ظلمات میں خنجر کی انی ہے

اب دیکھئے کیا ہوتا ہے شوریدہ سری میں
کنجشکِ فرومایہ کی کرگس سے ٹھنی ہے

تم تیرگیٔ شب ہو تو ہم مطلعِ انوار
گھنگھور اندھیرے کی اُجالے سے بنی ہے؟

اک شخص جو ہے خشک شجر کی طرح بے برگ
بیٹھو جو قریب اس کے تو کیا چھاؤں گھنی ہے!

پاشا ہے یہ اعجاز اُنہیں کا کہ شبِ غم
کیا کیا نہ مرے زخم کی شیریں دہنی ہے

غزل

نمودِ شام جو تیرہ شبی بھی دیتی ہے
باختتامِ سفر روشنی بھی دیتی ہے

یہ بات اہلِ خرد کی سمجھ میں آ نہ سکی
جنوں کی بے خبری آگہی بھی دیتی ہے

بہت ہی خوب ہے یارو خلوصِ دلداراں
عجیب عزم مگر بیکسی بھی دیتی ہے

سکوتِ ساز میں آہنگِ دردِ دل مضمر
صدائے کرب کبھی خامشی بھی دیتی ہے

نشانِ جادۂ منزل بہ رہ روانِ وفا
شبِ سیاہ میں خود تیرگی بھی دیتی ہے

وہ ایک ساعدِ سیمیں وہ ایک ماہِ جبیں
سکونِ قلب کو آشفتگی بھی دیتی ہے

یہ کہہ رہی تھی نسیمِ سحر کنارِ فرات
زمینِ قتلِ وفا زندگی بھی دیتی ہے

غزل

صبحدم کیسے ملے محفل میں پروانے کی خاک
سرمۂ چشمِ وفا کیشاں ہے دیوانے کی خاک

جوششِ آوارگیٔ شوقِ مجنوں منفعل
شاہدِ صحرا نوردی میری ویرانے کی خاک

چپکے چپکے شمعِ سوزاں رات بھر روتی رہی
رکھ کے اپنے سامنے محفل میں پروانے کی خاک

کیا کوئی پھر قیسِ آشفتہ چلا ہے سوئے دشت؟
کس کو اُٹھ کر دیکھتی ہے روز ویرانے کی خاک؟

روز لاتی تھی صبا محفل میں بوئے زلفِ یار
اس دفعہ آئی ہے لیکر اُن کے کاشانے کی خاک

دیکھنا ہی چاہتے ہیں نشّۂ زاہد تو پھر
میگساروں سے کہو مل لیں وہ میخانے کی خاک

شیخ صاحب کیا ہے فتویٰ آپ کا اس باب میں
قابلِ سجدہ ہے یا آشا کو صنم خانے کی خاک

ضیائے درد

بفیضِ زہرہ نگاراں بحکمِ محتسباں
ہجومِ آتشِ غم سے ہمیشہ شعلہ بجاں

اداس اداس پریشاں نڈھال درماندہ
گلابِ گورِ غریباں کی طرح پژمردہ

چراغِ خانۂ مفلس کی طرح افسردہ
ہوائے صرصرِ صحرا کی مثل شعلہ نفس

کھڑا تھا گرسنہ و تشنہ لب کنارِ فرات
مئے حیات کے بدلے مجھے ملا زہرِ آب

کوئی بھی لمحہ مری زندگی کا ایسا نہ تھا
صلیبِ درد کی دولت مجھے نصیب نہ ہو

نشاطِ کرب کی لذّت ضیائے درد سے تھی
ضیائے درد کہ حاصل تھی میری الفت کا

ضیائے درد کے صدقے عزیمتِ شبیّر
ضیائے درد نے بخشی صداقتِ سقراط

ضیائے درد سے سیماب پا سیاہیٔ شب
ضیائے درد سے رخسارِ زندگی پہ نکھار

ضیائے درد مری زندگی کا سرمایہ
مری حیات میں رونق ضیائے درد سے ہے

غزل

کسی سے کیسے کہے کوئی تجربہ دل کا
عجیب سانحہ ہوتا ہے سانحہ دل کا

کہیں نہ پھونک دیں شعلہ بدن متاعِ سکوں
چلا ہے شہرِ نگاراں کو قافلہ دل کا

مہ و نجوم مری گردِ راہ پا نہ سکے
مہ و نجوم سے آگے تھا حوصلہ دل کا

اسیرِ کاکلِ لالہ رُخاں وہ کیا ہوتا
صلیب و دار و رسن سے تھا رابطہ دل کا

وہ میری عرضِ تمنّا پہ طالبِ جاں ہے
ہے اک عجیب ستمگر سے واسطہ دل کا

یہ نکتہ اہلِ جنوں ہی سمجھ سکے پاشا
بہت طویل خرد سے ہے فاصلہ دل کا

★

قطعہ

منصور کو سولی پہ چڑھانے والے
سقراط کو زہرآب پلانے والے
ہے دار و رسن اہلِ وفا کی تقدیر
کتنے بے درد ہیں اے دوست زمانے والے

غزل

یہ کتنے خوش ہیں انہیں چاندنی میں رہنے دے
سحر زدوں کو اسی روشنی میں رہنے دے

یہ دور دورِ پُر آشوب ہے مگر یارب
شعارِ مہر و وفا آدمی میں رہنے دے

وہ جس کے فیض سے صیقل حیاتِ انسانی
وہ ایک شعلہ مری آگہی میں رہنے دے

اے میرے چاند! بس اتنی ہے التجا تجھ سے
کچھ اور دیر مجھے چاندنی میں رہنے دے

گریز کرتے ہیں وہ روشنی سے گر یارب
تو شپّروں کو اسی تیرگی میں رہنے دے

میں ایسا دشت کہ بادل کبھی نہیں چھایا
میں تشنہ ہوں تو مجھے تشنگی میں رہنے دے

مری متاعِ گراں مایہ لوٹنے والے
وہ ایک یاد مری زندگی میں رہنے دے۔

غزل

وہ اور ہی ہوں گے کم ہمّت جو سچّی باتیں کہہ نہ سکے
ہم خار کو خار ہی کہتے رہے ہم رُخ پہ ہوا کے بہہ نہ سکے

ہم سوزشِ دِل کی یہ حالت اُس شوخ ستمگر سے یارو!
اشکوں کی زباں میں آنکھوں سے کچھ کہہ بھی دیا کچھ کہہ نہ سکے

کچھ تارے درد کی شدّت سے مژگاں پہ چمک کر ٹوٹ گئے
اُن اشکوں کا عالم مت پوچھو جو آنکھ سے میری بہہ نہ سکے

ہر آنکھ میں تھی نشتر کی چبھن، بہتی تھی جہاں نفرت کی پَوَن
تھا رستہ رستہ دار و رسن ہم ایسی زمیں پہ رہ نہ سکے

اک آہ کبھی نکلی دل سے، نالہ کبھی ہونٹوں پہ آیا
ہم بھی تو بہر حال انساں تھے چپکے سے مظالم سہہ نہ سکے

غزل

شب کی چادر سے لپٹ کر غم کا پیکر سو گیا
جتنی یادیں تھیں وہ آنکھوں میں چھپا کر سو گیا

کوئی میری بیکسی کا اس سے اندازہ کرے
رکھ کے اپنے سر کے نیچے رات پتّھر سو گیا

شومیٔ تقدیر کہتے ہیں اسی کو غالباً
میں اٹھا تو دیکھئے میرا مقدّر سو گیا

اللہ اللہ کوئی اس کی بے حسی کو کیا کہے
سُن کے طعنے چپ رہا کھا کے پتّھر سو گیا

رات تھی کتنی گھٹن اس کا نہ عالم پوچھئے
جس سے گھبرا کے نکلا گھر کے باہر سو گیا

کس قدر طوفان تھا کل رات بحرِ درد میں
صبح ہوتے ہی وہ سینے کا سمندر سو گیا

●

دو شعر

فرطِ جذبات میں چل نکلے تھے سوئے منزل
یہ نہ سوچا تھا کہیں رات بھی ہو جائے گی
ابتدا میں تو گماں تک نہ ہوا تھا مجھ کو
بازئ عشق مری مات بھی ہو جائے گی

غزل

ان کے گھر میں چاند اور تارے اپنے گھر میں آگ
اپنی اپنی قسمت پیارے اپنا اپنا بھاگ

شائد آج وہ میرے گھر میں رات گئے تک آئیں
بھور سمے سے بول رہا ہے اپنی چھت پر کاگ

بوڑھی دھرتی ایسی ناری جس کے سو سو روپ
اُس کے کیس میں پھنس جاتے ہیں کیسے کیسے گھاگ

یہ جگ تو کل جگ ہے پیارے اِس جگ میں آنند کہاں
جتنی جلدی بھاگ سکے تو اس دھرتی سے بھاگ

اس نگری میں پاشا صاحب کس کس کو سمجھاؤ گے
ہر کی اپنی اپنی ڈفلی ہر کا اپنا اپنا راگ

غزل

آج کوئی پھر اُس گوری کے من مندر میں جھانک گیا
جھیل سے نین کے جھالر پر وہ جھلمل موتی ٹانک گیا

رات گئے تک جاگنے والے پاگل سوچوں کو سمجھاؤ
چاند نہ جانے کب کا اپنے سارے ریوڑ ہانک گیا

ساگر میں جو زہر بھرا تھا اک دیوتا نے چوس لیا
دھرتی پر جو زہر بچا تھا پاگل شاعر پھانک گیا

پورب سے جب سورج نکلا تاریکی سب کافور ہوئی
ویسے اندھیرا رات سے جانے کیا کیا ڈینگیں ہانک گیا

روز کی مانند آج بھی پیاسا جاتے جاتے شام کا سورج
رات کے کالے آنچل پر وہ جھلمل موتی ٹانک گیا

حدیثِ شب

وہ محشر خیال میں آئے تھے رات بھر
پلکوں پہ ہم نے تارے سجائے تھے رات بھر

کیا دیدنی تھی چاند کے جوبن پہ کل بہار
یادوں کے ہم نے دیپ جلائے تھے رات بھر

کل آہ چاندنی کے ترشح کی آگ نے
کیا کیا بگولے دل میں اٹھائے تھے رات بھر

تجھ کو خبر بھی ہے تری یادوں کی راہ میں
لعل و گہر کے پھول سجائے تھے رات بھر

ایسا ہی کچھ تھا درد کہ ہر شخص رو پڑا
اُس نے ہمارے شعر سُنائے تھے رات بھر

★

غزل

کس فرطِ اشتیاق سے آیا تھا دھوپ میں
وہ شخص جس کو تم نے بلایا تھا دھوپ میں

پودہ وہ آج صبح سے خوں تھوکنے لگا
ہم نے گلاب ایک لگایا تھا دھوپ میں

سایہ جب آیا ہاتھ چھڑا کر وہ چل دیئے
جن سے ہمیشہ ساتھ نبھایا تھا دھوپ میں

بے رحم آندھیوں نے گرا کر ہی دم لیا
اک سایہ دار پیڑ اُگایا تھا دھوپ میں

زلفیں کسی کے رُخ پہ پریشاں تھیں اس طرح
سورج نے جیسے ابر بچھایا تھا دھوپ میں

●

غزل

وہ ایک شخص جو ٹوٹا ہوا اس عہد میں ہے
حصارِ ذات کی جانے وہ کب سے لحد میں ہے

اے شب گزیدو! کبھی تو اُفق تک آئے گا
وہ آفتاب جو خوابیدہ اپنی مہد میں ہے

اندھیری رات میں جگنو نے یہ صبا سے کہا
عجیب لطف ہماری حیاتِ جہد میں ہے

الٰہی بخش دے اُس کو بھی جراَتِ ایماں
جو اپنا چہرہ چھپائے گلیمِ زہد میں ہے

جو بات اُس کے لبِ انگبیں میں ہوتی تھی
کہاں مٹھاس وہ پانمگس کے شہد میں ہے

غزل

اگرچہ منھ سے وہ کہتا نہیں ہے
مگر حال اُس کا کچھ اچھا نہیں ہے

مقابل آئینہ ہے سوچتا ہوں
یہ چہرہ تو مرا چہرا نہیں ہے

وہاں کرتے رہے صحرا نوردی
جہاں کوسوں کوئی سایا نہیں ہے

سنو کہ زرد موسم کے اثر سے
گلوں کا حال کچھ اچھا نہیں ہے

جلے سپنے، بجھی چشمِ تمنّا
مگر اب تک کوئی آیا نہیں ہے

نہ جانے رات بھر کیوں سوچتا ہوں
یہ زنداں ہے مرا کمرا نہس ہے

اکیلے میں ملوں پا آشنا سے کیسے
کسی لمحہ بھی وہ تنہا نہیں ہے

کالی دھوپ

سورج آج ہمارے آنگن میں
کالی چادر اوڑھے اُترا ہے

کالی کرنیں
اُس کی رگ رگ سے پھوٹ رہی ہیں
کس بیدردی سے
اُجیالے کو لُوٹ رہی ہے

کالی دھوپ کے زہر سے آنگن کے
سارے پتّے زرد ہوئے ہیں
کومل کلیاں سوکھ گئی ہیں
نیلے پیلے اودے پھول
کجلاتے بے رنگ ہوئے ہیں ——!

اس کی کالی چادر جب
اک دن بوسیدہ ہو جائے گی
جھلکے گا سُورج کا مکھڑا
جو آنگن کو ضو بخشے گا
ہر دیپک کو لَو بخشے گا

غزل

سامنے اُس کے جو بھی آئیں سجدے سے انکار کریں
پابندِ زنجیر کریں وہ یا پھر زیبِ دار کریں

سر اپنا دیوار پہ ماریں، دامن اپنا تار کریں
ہم وحشی یوں خون سے اپنے زنداں کو گلزار کریں

شہرِ جنوں میں فرزانوں نے کیسی لوٹ مچائی ہے
ظلمت کے سوداگر ہو کر کرنوں کا بیوپار کریں

سامنے جا کر کس کے روئیں کس سے ہم یہ بات کہیں
جن کا دامن خود ہی تر ہے وہ ہم کو سنگسار کریں

اُن کی بزم میں جو بھی آئیں قلب و جگر کو تھام کے جائیں
آخر ہیں وہ کیسے مسیحا جو سب کو بیمار کریں

انساں ہمیشہ بکتا تھا اب لوح و قلم بھی بکتے ہیں
ہائے یہاں بازار میں اپنا سودا اب فنکار کریں

●

قطعہ

فضائے مست میں شام دیار کو ترسے
شمیم صبح و گل عطر بار کو ترسے
لہو سے اپنے گلستاں کو سینچنے والے
بہار آئی تو یار و بہار کو ترسے

غزل

ظلم ہر دور میں ہوتا رہا شبّیر کے ساتھ
لوگ ہر دور میں ہوتے رہے شمشیر کے ساتھ

اب اُسی شہر میں برساتے ہیں پتّھر مجھ پر
میں جہاں لایا گیا تھا بڑی توقیر کے ساتھ

جذبۂ عشق تو دیکھ اے بُتِ طنّاز کہ آج
تیرا دیوانہ چلا آیا ہے زنجیر کے ساتھ

کتنی شدّت سے تری یاد پھر آئی مجھ کو
رات بھر بیٹھا رہا میں تری تصویر کے ساتھ

میری تربت پہ لگا دینا یہ کتبہ یارو!
"ہے یہ وہ شخص جو لڑتا رہا تقدیر کے ساتھ"

ساقیا! غیروں پہ اب لطف و کرم ہے تیرا
جام اپنوں کے لئے آتا ہے تاخیر کے ساتھ

اُس کے اشعار کے انداز پتہ دیتے ہیں
نام پاشا کا بھی آئے گا کبھی میر کے ساتھ

برگد کا بوڑھا پیڑ

برگد کا یہ بوڑھا پیڑ
جس کے جسم کی کھال تک اب تو سوکھ گئی ہے
اُس کے سائے میں
جانے کتنے رومان پلے ہیں
جانے کتنے پیمان بندھے ہیں

اُس برگد کے پیڑ کو سب
ہم راز بنا کر
جیون ساتھ نبھانے کا
وعدہ کرتے تھے

اُس برگد کے سائے میں
کتنی چھیل چھبیلی سندر ناری
میت سے ملنے کی آشا میں
پہروں بیٹھی رہتی تھیں

کتنے البیلے شوخ کنہیا
اُس برگد کے سائے میں
اپنی نے سے
مد بھری آواز کا جادو گھولتے تھے
بِرہا راگ کو چھیڑ کے اکثر
فرطِ غم سے
اشک کے موتی رولتے تھے

برگد کا یہ بوڑھا پیڑ
جس کے جسم کی کھال تک اب تو
سوکھ گئی ہے
کتنے رازوں کا امیں ہے
جانے کس کس کا بھیدی ہے ــــــ!

☆

غزل

اُس کی قمیص دیکھ کے نمناک کتنے ہیں؟
یوسف کے شہر والے بھی سفاک کتنے ہیں!

عارض کو چوم چوم کے وہ چھیڑتے رہے
جھونکے ہوا کے غنچوں سے بیباک کتنے ہیں!

جب بھی گری ہے برق مری شاخ پر گری
جنگل میں ویسے آج بھی خاشاک کتنے ہیں

بارش کی جب دعائیں کیں شعلے برس پڑے
حالات ہم پہ دیکھئے سفّاک کتنے ہیں!

کرتے ہیں جب بھی بات تو لالہ رخوں ہی کی
اہلِ جنوں بھی دیکھئے چالاک کتنے ہیں!

صیّاد کے وہ جاتے ہی پھر مطمئن ہوئے
ہرنوں کو کیا خبر تھی کہ فتراک کتنے ہیں!

اہلِ جنوں میں مستی و شوریدگی کہاں؟
اہلِ خرد میں صاحبِ ادراک کتنے ہیں؟

غزل

شہر آشوب میں گلہائے وفا کس کو دوں؟
کون مخلص ہے میں الزام جفا کس کو دوں؟

شہر کے شور میں صحراؤں کا سناٹا ہے
دیر سے سوچ رہا ہوں کہ صدا کس کو دوں؟

وہ تو یوسف تھا مگر کوئی بھی یعقوب نہیں
خوں میں ڈوبی ہوئی میں اسکی قبا کس کو دوں؟

شہر میں ویسے مہربان بہت سارے تھے
کون قاتل تھا مرا! ہائے دعا کس کو دوں؟

شہر بیداد میں ہر شخص ہے پتھر یا آشا
کس کی زنجیر ہلاؤں؟ میں صدا کس کو دوں؟

★

کرمکِ شبِ فروز

رات کے شہر میں
چار سو تیرگی ــــ!

آدمی
سوچ کی برف کی آگ میں
جل اُٹھا

خامشی
ہر طرف چیختی ہی رہی ــــ!

رات
ہے بال کھولے ہوئے
نور کی منتظر ــــــ!

اور قریب ہی کوئی
کرمکِ شب فروز
محو ہے رقص میں ——!

●

دو شعر

اہلِ دل، اہلِ وفا، اہلِ جنوں کا یارو!
ایک رشتہ ہے ازل سے رسن و دار کے ساتھ
ایک مدت پہ جو آج اُس کی گلی سے گذرا
میں بہت دیر تک بیٹھا دیوار کے ساتھ

غزل

کس طرح یاد ہیں اُس شوخ کی بیکل دریا
کوہ میں، دشت میں، پھرتا رہا پاگل دریا

چاندنی رات، وہ کافر، یہ فضائے میگوں
پاس انگڑائیاں لیتا ہوا چنچل دریا!

جب وہ آسیب زدہ دشت سے گذرا تو لگا
جیسے نَوخیز سی بیوہ کا ہے آنچل دریا

اپنی خامشی پہ کیا اور کہوں اس کے سوا
جیسے طوفان سے پہلے کوئی بیکل دریا

ایسی ہی سخت اُسے چوٹ لگی ہے دل پر
سانپ کی طرح تڑپتا ہے یہ گھائل دریا

★

غزل

میری چاہت مرے خوابوں کی صلیب
جیسے صحرا میں سرابوں کی صلیب

کب اُٹھی اہلِ ہوس سے یارو!
رات کے سرد عذابوں کی صلیب

ایک دیوانہ پھرا کرتا ہے
ہاں لئے تیرے عتابوں کی صلیب

کھل اُٹھی زرد ہوا کے ہاتھوں
درد کے سُرخ گلابوں کی صلیب

کب سے کچھ لوگ لئے پھرتے ہیں
دل کے ویران خرابوں کی صلیب

حالِ دل کہہ کے اٹھاؤں کیسے
تیرے زہریلے جوابوں کی صلیب

تیری مدہوش نشیلی آنکھیں
جیسے بے درد شرابوں کی صلیب

*

غزل

وہ ایک شخص جو محفل میں بولتا تھا بہت
سنا ہے اہل نظر سے وہ کھو کھلا تھا بہت

ردائے شب سے لپٹ کے سوادِ شام کے بعد
کسی کے بارے میں پہروں میں سوچتا تھا بہت

ابھی جو پاس سے نظریں چُرا کے گذرا ہے
گئی رُتوں میں وہی مجھ کو چاہتا تھا بہت

اُس اجنبی نے بالآخر پلٹ کے دیکھ لیا
طلسمی شہر میں کوئی پکارتا تھا بہت

جو بات بات پہ ہنستا تھا مُسکراتا تھا
کسے خبر کہ وہی دل میں رو رہا تھا بہت

کچھ ایسے اہلِ جنوں بھی یہاں سے گذرے تھے
غبارِ راہِ وفا جن کو ڈھونڈتا تھا بہت

جو پوچھتے ہو مجھے تم کو یاد ہو شاید
کوئی نظر سے تمہاری کبھی گرا تھا بہت

غزل

میں ہوں اپنے کمرے میں جیسے اجنبی تنہا
آپ بھی چلے آتے اس طرف کبھی تنہا

ہر طرف حوادث کی موج زن ہوائیں ہیں
کس سے کس سے ٹکرائے ایک آدمی تنہا

جا کے بس کوئی اتنا اہرمن سے کہہ دیتا
وقت کا مداوا ہے آج روشنی تنہا

دیکھنے میں دنیا ہے اک ہجومِ دلداراں
سوچئے تو ہوتی ہے ہر کی زندگی تنہا

ہر طرف سسکنے کی آرہی تھیں آوازیں
رو رہی تھی صحرا میں رات چاندنی تنہا

شہر شہر مسکن ہے ظلمتوں کا اب یارو
گاؤں گاؤں رقصاں ہے آج تیرگی تنہا

آپ نے نہ پہچانا؟ ہاں وہی تو پاشا تھا
وہ خموش گم سُم سا ایک آدمی تنہا

مارس

(یونانی دیو مالائی کہانیوں میں جنگ کا دیوتا)

جنگ کا دیوتا
موت سے، خون سے،
آگ سے کھیلتا
بڑھ رہا ہے کہ وہ
چین کو چھین کر
بے کلی بخش دے
ساز کو توڑ کر
نغمگی چھین لے
شانتی چھین لے
حرّیت چھین لے

بندگی بخش دے

●

غزل

سُن کر میں جرم چپ تھا گنہ گار کی طرح
لکنت زباں میں آ گئی مے خوار کی طرح

وہ کیسی صبح تھی کہ طلوعِ سحر کے بعد
سورج کا چہرا لگتا تھا بیمار کی طرح

ہاں اس کی داستان بہت دلخراش تھی
خاموش تھا جو سایۂ دیوار کی طرح

رُکنے کا نام بھی نہیں لیتے تھے وہ کبھی
اہلِ جنوں تھے وقت کی رفتار کی طرح

مقتل سے، تیغ، دار و رسن سے، صلیب سے
مجھ کو ہے پیار کوچۂ دلدار کی طرح

ہم تیرہ بخت آپ ہی کہیے کہاں سے لائیں
شوکت، جلال، شان وہ سرکار کی طرح

اوپر سے دیکھنے میں ہیں مانندِ کوہ ہم
اندر سے ایک ریت کی دیوار کی طرح

اے ربِّ ذوالجلال اماں پاؤں تو کہوں
یہ عمر کٹ گئی کسی نادار کی طرح

غزل

جدا ہوا تو مجھے وہ فسردہ پتّا لگے
مرے قریب جو آئے تو میرا سایا لگے

وہ جس کی بات میں ہوتی تھی اک لگاوٹ سی
وہی رویّے سے اب کچھ مجھے پرایا لگے

میں اپنی آنکھ کو روؤں کہ جلتے سورج کو
چمکتی دھوپ ہے لیکن مجھے اندھیرا لگے

اندھیری رات، ہوا تیز، راستے پُرپیچ
تمہاری ذات ہی ایسے میں بس سہارا لگے

تلاشِ صبح میں ایسے بھی لمحے آئے ہیں
اندھیری رات ہے لیکن مجھے سویرا لگے

کچھ اتنا تلخ ہے ماضی کا تجربہ یا آشنا
ہر ایک چیز مجھے ریت کا گھروندا لگے

شعر

تم ہو گئے کیوں حیراں آنسو کے نکلنے پر
ہم لوگ جو ہنستے ہیں یہ غور طلب ہے

غـــزل

وفا کے بدلے تمہارا عتاب کیسا ہے؟
محبتوں کا مری یہ جواب کیسا ہے؟

تھا آج سنگ مقدر مرے لئے لیکن
تمہارے ہاتھ میں تازہ گلاب کیسا ہے؟

وہ قتل کرتے ہیں ہم آہ بھی نہیں کرتے
ستم گروں کو ہمارا جواب کیسا ہے؟

امیرِ شہر سے کہہ دو غریبِ شہر کوئی
فصیلِ شہر تلے محوِ خواب کیسا ہے؟

اگر حیات ہے نغمہ تو پھر بتائے کوئی
یہ کلفتوں کا مسلسل عذاب کیسا ہے؟

نہ بوند ہی کوئی برسی نہ برق ہی چمکی
ہمارے شہر پہ چھایا سحاب کیسا ہے؟

دو شعر

حال پوچھنے والے دل کا حال بس یہ ہے
جیسے میرے سینے میں درد کی کٹاری ہے
جب بھی دیکھنے آئے درد بڑھ گیا دل کا
ہائے غمگسارو! یہ کیسی غمگساری ہے

غزل

(نذرِ میرؔ)

دل کا سکون رات کا جو خواب لے گیا
مہ ناز لے گیا کوئی مہتاب لے گیا

کیا ہو گیا غضب ارے او خفتگانِ شہر!
آنکھیں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا

اہلِ جنوں میں کون وہ خوش بخت تھا کہ جو
زہرہ وشوں کا حسن و تب و تاب لے گیا!

مہتاب کی طرح جو حسیں خوش جمال تھا
دل سا وہ میرا گوہرِ نایاب لے گیا

ہاں قتل تو ہوئے مگر تڑپے نہیں کہ وہ
ہم بسملوں سے فطرتِ سیماب لے گیا

دے کر وہ شوخ زہر کا پیالہ بصد ادا
ہاتھوں سے میرے جامِ مئے ناب لے گیا

ہم غم زدوں کے اشک کا سیلِ رواں تو دیکھ
سارے جہاں کو آج تہہِ آب لے گیا

دو شعر

ظلمت گزیدو! کیسے کہوں تم سے میں کہ ہائے
سورج افق پہ آیا ہے شب کے لباس میں
ہم تشنہ لب ترستے رہے بوند بوند کو!
پانی بھرا ہوا تھا چناب اور بیاس میں

غزل

شب بھر رہا تھا دل میں کسی یاد کا گزر
کتنا حسین ہوتا ہے احساس کا سفر!

وہ تیرگی کی صبح سے آندھی چلی کہ آج
کجلا گئے ہیں دیکھئے سورج کے بام و در

کس سمت اہلِ درد نے قصدِ سفر کیا
کوہ ندا سے آیا ہے کوئی بھی لوٹ کر؟

مدّت ہوئی کہ ذات ہماری بکھر گئی
آخر یہ لوگ ہنستے ہیں کیوں ہم کو دیکھ کر

سینے میں آرزو ہے مقیّد کچھ اس طرح
جیسے کہ ایک مرغ تراشیدہ بال و پر

یادوں کے ہم حسین سمندر سے بارہا
لائے ہیں کیسے کیسے خیالات کے گہر

ظلمت کے دشت سے ہے طبیعت مری نڈھال
اے مہرِ زرنگار! ادھر بھی کر اک نظر

غزل

حال نہ میرا پوچھئے آپ کے جب سے ہو گئے
اپنی تو کچھ خبر نہیں ہوش و حواس کھو گئے

میں نے ہمیشہ آپ کو دل سے دعائیں دیں مگر
آپ ہی میری راہ میں دیکھئے خار بو گئے

لاوا ہماری روح کا آنکھ سے رات بہہ گیا
کیسا سکون مل گیا، چین کی نیند سو گئے

آپ نے کچھ نہیں کہا پھیر کے منہ کو چل دیئے
لیکن ہمارے حال پر آج عدو بھی رو گئے

آپ بتوں کی یاد میں نیند کریں حرام کیوں
آپ بھی سوئیے جناب چاند، ستارے سو گئے

●

غزل

ستم و جور کا اُس شوخ کے شکوہ نہ کریں
ہم نشینوں سے کہو عشق کو رسوا نہ کریں

تیرگی رات کی کچھ اور بڑھے گی شائد
شب کے ماتوں سے کہو دن کا تقاضا نہ کریں

کج کلا ہوں میں کبھی ہم بھی گنے جاتے تھے
ہم سیہ بختوں کو یوں لوگ تو رسوا نہ کریں

ٹیس اٹھتی ہے تو اک خاص مزہ آتا ہے
ان طبیبوں سے کہو درد کو اچھا نہ کریں

ہاں وہی راز جو مجھ کو عزیز از جاں ہے
دیدہ و دل مرے اس راز کو افشا نہ کریں

★

غزل

آج کے دَور میں افکار کی قیمت کیا ہے
شاعری چھوڑیئے اشعار کی قیمت کیا ہے

آپ اس افسرِ شاہانہ پہ اترائیے مت
ایک بوسیدہ سی دیوار کی قیمت کیا ہے

سستے ہی داموں میں ہم بیچ رہے ہیں خود کو
پوچھ کر آئیے بازار میں قیمت کیا ہے

زہر و زنداں، قفس و دار و رسن اور صلیب
دوستو! عظمتِ کردار کی قیمت کیا ہے

کوئی اخلاص سے مل لے تو غنیمت جانو
ورنہ ماحول میں اقدار کی قیمت کیا ہے

غزل

ستم و جور کا اُس شوخ کے شکوہ نہ کریں
ہم نشینوں سے کہو عشق کو رسوا نہ کریں

تیرگی رات کی کچھ اور بڑھے گی شائد
شب کے ماتوں سے کہو دن کا تقاضا نہ کریں

کج کلاہوں میں کبھی ہم بھی گنے جاتے تھے
ہم سیہ بختوں کو یوں لوگ تو رسوا نہ کریں

ٹیس اٹھتی ہے تو اک خاص مزہ آتا ہے
ان طبیبوں سے کہو درد کو اچھا نہ کریں

ہاں وہی راز جو مجھ کو عزیز از جاں ہے
دیدہ و دل مرے اس راز کو افشا نہ کریں

★

غزل

آج کے دَور میں افکار کی قیمت کیا ہے
شاعری چھوڑیئے اشعار کی قیمت کیا ہے

آپ اس افسرِ شاہانہ پہ اترائیے مت
ایک بوسیدہ سی دیوار کی قیمت کیا ہے

سستے ہی داموں ہیں ہم بیچ رہے ہیں خود کو
پوچھ کر آیئے بازار میں قیمت کیا ہے

زہر و زنداں، قفس و دار و رسن اور صلیب
دوستو! عظمتِ کردار کی قیمت کیا ہے

کوئی اخلاص سے مل لے تو غنیمت جانو
ورنہ ماحول میں اقدار کی قیمت کیا ہے

میں نے آہستہ سے چھیڑا تو سمجھ میں آیا
تیرے اس پھول سے رخسار کی قیمت کیا ہے

اک نہ اک دام میں بک جاتا ہے ہر شخص یہاں
پاشا جی! آپ کے معیار کی قیمت کیا ہے

غزل

وفا شعاروں نے کی ہیں محبّتیں کیا کیا
ہیں اُن کے نام سے یارو روایتیں کیا کیا

ہم اہلِ درد جلاتے رہے سروں کے چراغ
ہیں شہرِ شب میں ہماری حکایتیں کیا کیا

یہ اضطراب، یہ نالے، یہ سوزشِ پیہم
ہیں اُن کی دیکھئے ہم پر عنایتیں کیا کیا

سنو کہ آج بھی ہیں ذہن کے اجنتا میں
مرے ندیم! منقّش وہ صورتیں کیا کیا

تجھے بہار کہوں، گُل کہوں کہ چاند کہوں
ہیں تیرے حسن میں پیارے شباہتیں کیا کیا

نہ چھیڑ بیتے زمانے کے ساز اے مطرب!
ہیں اُس کی یاد سے وابستہ صحبتیں کیا کیا

بنام سبزہ خطاں، مہ وشاں، خطوط و پیام
مرے خلاف وہ لائے شہادتیں کیا کیا!

غزل

خونِ ناحق ترے کوچے میں روا ٹھہرا ہے
میرے دلبر ترا انداز یہ کیا ٹھہرا ہے

بُہرِ آشفتہ سراں سنگِ ستم ہی یارو
شہرِ جاناں میں محبت کا صلا ٹھہرا ہے

خونِ دل آنکھ سے ٹپکا تو یہ جانا میں نے
اب کے ہر رنگ یہاں رنگ حنا ٹھہرا ہے

چوٹ کھاتے ہیں مگر آہ نہیں کرتے ہیں
ہم وفا کیشوں کا انداز جُدا ٹھہرا ہے

چرچے ہوتے تھے یہاں جس کے مظالم کے کبھی
خیر سے آج وہی میرا خدا ٹھہرا ہے

نبضِ ہستی وہیں رکتی ہوئی محسوس ہوئی
راہ میں وہ جو کہیں شوخ ادا ٹھہرا ہے

نقدِ جاں لے کے چلو راہِ وفا میں پاشا
رہروں کے لئے انعامِ قضا ٹھہرا ہے

غزل

(نذرِ افسر ماہ پوری)

کیا کوئی مرے غم میں رات بھر تڑپتا ہے ؟
کیوں مرا دلِ محزوں شام سے دھڑکتا ہے ؟

عاشقی کی بستی میں، شاعری کی دنیا میں
درد جتنا بڑھتا ہے آدمی نکھرتا ہے

چاند سو گیا شاید رات ڈھلنے والی ہے
کس اُمید میں اے دل پھر بھی تو مچلتا ہے

کج کلاہ مہ پارو! میری بھی ذرا سُن لو
آفتاب کو دیکھو ایک وقت ڈھلتا ہے

کب بجھا سکو گے تم، تیرگی کے متوالو!
اک چراغ جو میرے خونِ دل سے جلتا ہے

آج پھر چلی شاید شامِ غم کی پروائی
چاندنی میں کیوں آخر زخم دل مہکتا ہے؟

ابتدائے الفت ہے اور کسی کی فرقت کی
دھیمی دھیمی آنچوں پر آج کون جلتا ہے؟

وہ جو ایک پاگل ہے کہتے ہیں جسے پیاسا
گل زخموں کی صحبت میں اور بھی سلگتا ہے

خیالاتِ پریشاں

آج اُس نازک ادا کی یاد پھر آئی بہت
جس سے میری ایک مدّت تھی شناسائی بہت

کالی زلفیں، مست آنکھیں، ابرو باراں، بوئے گُل
میرے ڈھاکہ آج تیری یاد پھر آئی بہت

کون وہ خوش بخت تھا؟ وہ کون تھا مردِ وفا
کس کے خوں میں ڈوب کر شمشیر لہرائی بہت؟

راہِ الفت میں نکلنا تھا تقاضائے جنوں
ویسے میں بھی جانتا تھا ہو گی رسوائی بہت

ہو گیا مانوس میں اس شہر سے ویسے یہاں
پہلے پہلے تو طبیعت میری گھبرائی بہت

میری خامشی کو میری سرد مہری مت سمجھ
تو یقیں کر میں ترا اب بھی ہوں شیدائی بہت

قطعہ

ہے محل تیرا فلک شان تجھے کیا معلوم
کس طرح رہتے ہیں انسان تجھے کیا معلوم
تیرا ایوان تو اک شہر طرب ہے پیارے
زندگی کتنی ہے ویران تجھے کیا معلوم

غزل

کر دیا آج یہاں یاروں نے سنگسار درخت
اپنی بستی میں جو تھا ایک ثمر دار درخت

اُس کے سائے میں جو بیٹھو تو سکوں پاؤ گے
زندگی دھوپ ہے اور میرے ہیں اشعار درخت

جلتی کرنوں سے یہ سائے میں بلا لیتا ہے
ہم گراں سفروں کا کتنا ہے یہ غمخوار درخت

خود تو جلتا ہے مگر اوروں کو دیتا ہے سکوں
کس قدر دیکھئے ہوتا ہے وضع دار درخت

حُسن اس کا ہے عجب دل کو لبھانے والا
کیسے فنکار کا یارو ہے یہ شہکار درخت

★

غزل

یہاں سے دور کہ تنہائیوں کا صحرا تھا
میں مور تھا کبھی ناچا تو کس نے دیکھا تھا

لحد میں جسم کی میں کانپ کانپ اٹھا تھا
شبِ ستم میں جو پتّہ کہیں پہ کھڑکا تھا

تھی اُس کے کمرے میں تصویر ایک آویزاں
ذرا جو غور سے دیکھا تو میرا خاکا تھا

جو کھو گیا تھا کبھی ذہن کے سمندر میں
وہ رات صحن میں پھر چاند بن کے اُترا تھا

چلا تھا ڈھونڈنے میں روشنی کے مخزن کو
وہاں جو پہنچا تو تاریک اک جزیرا تھا

کب اختیار تھا مجھ کو ہوا کے جھونکے پر
میں اس کے دوش پہ اک ناتواں سا پتّا تھا

خود اپنے سر سے لہو دوستو رواں پایا
کسی پہ میں نے سرِ راہ سنگ پھینکا تھا

تو

تیری خاطر
ہم نے اپنا تن من دھن برباد کیا
تیری خاطر
اپنے ہاتھوں اپنا گھر تاراج کیا

اپنا گلشن تج کے ہم نے
اپنا مسکن چھوڑ کے ہم نے
تیرا گھر آباد کیا

ہائے مگر یہ کس کو خبر تھی
اتنا کس نے سوچا تھا
تو یوسف کا بھائی ہے!

غزل

(نذرِ محسن احسان)

میرے قریب تیرگی، میرا نصیب تیرگی
سایہ فگن ہے تا افق ایک مہیب تیرگی

اہلِ جنوں کے واسطے، اپنا تو ہے مشاہدہ
راہِ حیات میں فقط درد، صلیب، تیرگی

ہلکے سے نور کے لئے ایک کرن کے واسطے
کب سے ستیزہ کار ہے ہائے غریب تیرگی!

راہ میں قافلے کے آج کون مقام آگیا
سامنے دشتِ بیکراں اور قریب تیرگی

میرا وجود آفتاب، میرا پیام روشنی
میں ہوں وہ نورِ بیکراں جس کی رقیب تیرگی

جب سے گیا وہ رشکِ ماہ راحتِ جاں جُدا ہوا
دیکھ! فضا میں رچ گئی ایک عجیب تیرگی

●

ثلاثہ

خدا سے ہم نے اگر تجھ کو مانگا ہے
تجھے شاید یقیں اس کا نہ آئے
ہمارے شہر میں بھی اک خدا ہے

غزل

صلیبِ زیست ہیں کاندھے پہ ہم اٹھائے ہوئے
گو سر سے پاؤں تک ہیں خون میں نہائے ہوئے

وہی تو سمجھے گا سوزِ فراقِ سیم براں
جو دل پہ چوٹ محبّت کی ہو گا کھائے ہوئے

کبھی تو آؤ کہ گذرے دنوں کو یاد کریں
گذر گئے ہیں بہت دن بھی تم کو آئے ہوئے

سنبھل کے اے دلِ مضطر کہیں نہ کھل جائے
وہ ایک راز جو سینے میں ہوں چھپائے ہوئے

سیاہ رات، ہوا تیز، راستے مسدود
دیّا اُمید کا پھر بھی ہوں میں جلائے ہوئے

چلے بھی آؤ کہ اس رات چاندنی پیارے
گھنیری زلفوں کو پیڑوں پہ ہے بچھائے ہوئے

نہ چھیڑو اہلِ وفا کو نہ ان کو تنگ کرو
بہت زمانے کے ہاتھوں ہیں یہ ستائے ہوئے

غزل

گھبرا کے جب بھی دھوپ سے سائے میں آگیا
جانے کہاں سے شعلہ سا پتّے میں آگیا

پوچھا جو مجھ سے حال تو آنسو نکل پڑے
جتنا تھا غم سمٹ کے وہ چہرے میں آگیا

سائے کا دور دور بھی نام و نشاں نہیں
بہتا ہوا میں کیسے جزیرے میں آگیا ؟

کچھ لوگ تیز دھوپ میں منزل کو چل پڑے
گھبرا کے میں شعاعوں سے کمرے میں آگیا

اے ہم سفر! یہ تیری رفاقت مرے لئے
گویا دہکتی دھوپ سے سائے میں آگیا

غزل

کوئل کوکو بول رہی ہے ہلکے ہلکے
کانوں میں رس گھول رہی ہے ہلکے ہلکے

جیون نیّا ڈوب نہ جائے ڈر لگتا ہے
ساگر میں یہ ڈول رہی ہے ہلکے ہلکے

شام ہوئی اب گھر چلئے یہ کالی رات
اپنے گیسو کھول رہی ہے ہلکے ہلکے

مدھ بھری آواز کا جادو رات گئے
کون فضا میں گھول رہی ہے ہلکے ہلکے

کتنی دیر سے اُس کی یاد میں اپنی آنکھ
اشک کے موتی رول رہی ہے ہلکے ہلکے

★

غزل

کڑی تھی دھوپ تو سایہ اُٹھا گیا وہ شخص
سیہ تھی رات تو مشعل جلا گیا وہ شخص

مسیحا بن کے جو مرہم بدست آیا تھا
کچھ اور درد کو میرے بڑھا گیا وہ شخص

گذر کے جاں سے محبّت کے راستے میں آج
الم کشوں کو رہِ نَو دکھا گیا وہ شخص

سُنا کے درد بھری داستاں مظالم کی
سبھوں کو خون کے آنسو رلا گیا وہ شخص

وہ جس کے واسطے پھولوں کی سیج رکھتے تھے
ہماری راہ میں کانٹے بچھا گیا وہ شخص

میں جس کے واسطے شعروں کے جال بنتا تھا
مری غزل سرِ محفل سُنا گیا وہ شخص

✿

ثلاثہ

جو ہے سو نذرِ آشفتہ سراں ہے
تمہارا بت تراشوں بھی تو کیسے
تمہارے شہر میں پتھر کہاں ہیں؟

غزل

اس دنیا میں ہم نے دیکھے کیسے کیسے لوگ
روپ تو اُن کا چندا جیسا لیکن من میں روگ

آس نراش کے عالم میں یہ جیون سارا بیتا
لیکن بھاگ میں لکھا کب تھا دو دل کا سنجوگ

مجھ سا جوگی اس دھرتی پر اور بھی تم نے دیکھا
پریت ہے داسی دُکھ ہی جس کے من مندر کا بھوگ

سب لوگوں کی ایک ہی آشا سب لوگوں کی ایک ہی آس
ایسا وید جو اچھا کر دے سب کے من کا روگ!

پاشا جی! کیوں رو رو کر ہلکان ہوئے جاتے ہو تم؟
دنیا تو ہے آنی جانی کس کا کب تک سوگ

★

غزل

کچھ دن تک تو ہم پر بھی تھا اک مہ وش کا مہر بہت
جس کے ہونٹ میں شہد بہت تھا جس کے نین میں زہر بہت

آج بھی منصوروں کی خاطر، آج بھی سقراطوں کے لئے
گلیاں گلیاں دار سجے ہیں کوچہ کوچہ زہر بہت

اہلِ جنوں تو منزل کو اک روز یقیناً جائیں گے
چاہے رستے بند کرو یا تنگ کرو تم دہر بہت

اپنا تو یہ شیوہ ہے بس ضبط کیا خاموش رہے
لاکھ رہے سینے میں سوزش درد کی اُٹھے لہر بہت

اس سے تو کہیں بہتر اے دل اپنا وہ خرابہ لگتا ہے
بے مہری ہے ریت یہاں کی دیکھ چکے یہ شہر بہت

الیقان

تمہاری بے چارگی کا عالم
تمہاری وہ بے بسی کے قصّے
تمہاری فاقہ کشی کی باتیں
تمہارے بچّوں کا وہ بلکنا
تمہاری آہیں، تمہارے نالے
تمہارے شیون، تمہارے نوحے
مجھے ہر اک بات کی خبر ہے پیارے — !

مگر زمانے کے سخت پنجے میں سب ہیں بے بس
سب ہی ہیں مجبور
سب ہی ہیں مایوس
ہم بھی
تم بھی

مگر خدا سے تو نا امید مت ہو
اسی سے تم لَو لگائے رکھو

خدائے برتر
خبیر بھی ہے
بصیر بھی ہے
علیم بھی ہے

خدائے برتر
حکیم بھی ہے
کریم بھی ہے
رحیم بھی ہے

وہ شب زدوں کو ضرور اک دن
نئی سحر کا پیام دیگا

غزل

اُن سے مل کے ہم جو بچھڑے اک خلا سا رہ گیا
جیسے اپنی میت سے چھٹ کر پرندا رہ گیا

ایک میں تھا اور طوفانِ حوادث الاماں!
میری ہمت دیکھئے میں پھر بھی زندہ رہ گیا

اُس نے سارے شہر کے گُل کر دیئے اک اک چراغ
پھر بھی سینے کا مرے سورج چمکتا رہ گیا

میرا شہرِ آرزو جب آگ کے شعلوں میں تھا
نیرو بیٹھا دور سے بس مسکراتا رہ گیا

اُس نے پہروں بات مجھ سے کی تھی ہنس ہنس کر مگر
کیا مجھے وہ چاہتی تھی ؟ اک معمّا رہ گیا

اک بھکارن خوب رُو کو کار آئی لے گئی
بھوکا بچّہ روڈ پر اُس کا بلکتا رہ گیا

بربریت دیکھ کر اس دَور کے انسان کی،
دم بخود ، مبہوت سا، وحشی درندہ رہ گیا

غزل

شبیرؓ عہدِ نو کا طرف دار کون ہے؟
جرمِ وفا پہ آج سرِ دار کون ہے؟

اے موجِ آبِ دجلہ و اے ساحلِ فرات!
ابنِ علیؓ کا آج عزادار کون ہے؟

وہ کون تیرے شہر میں مصلوب ہو گیا
اہلِ وفا میں ایسا گنہ گار کون ہے؟

کنعاں میں آج قحطِ وفا ہے مگر بتاؤ
جنسِ وفا کا پھر بھی خریدار کون ہے؟

کس نے صلیبِ درد کو شانہ پہ رکھ لیا
اہلِ جنوں میں ایسا جگر دار کون ہے؟

سینے میں حسرتوں کا سمندر مگر خموش
شہرِ طلب میں ایسا وضع دار کون ہے؟

اے صبحِ آرزو! ذرا تصدیق تو ہی کر
ظلمت سے آج برسرِ پیکار کون ہے؟

لالہ رُخانِ شہرِ تمنّا سے پوچھ لو
دشتِ وفا میں ہم سا طلب گار کون ہے؟

غزل

پھر ظلمتوں کے سیل میں شمعیں جلائیے
پھر تیرگی کے بحر سے سورج نکالیے

ہاں آپ ہی تو ایک ہیں معصوم شہر میں
ہم عاصیوں پہ شوق سے پتّھر اٹھائیے

"فکرِ معاش، عشقِ بُتاں، یادِ رفتگاں"
اک اژدہامِ درد ہے کیا کیا بتائیے

اُس پیکرِ جمال کے ترکِ وفا کے بعد
اب کس کے بُت میں حسنِ تخیّل کو ڈھالیے

بیرحم دھوپ کا ہے تقاضا یہی کہ اب
اک شجرِ سایہ دار چمن میں اُگائیے

غزل

کبھی جو رہتے تھے اس شہر میں خدا کی طرح
وہ مٹ گئے ہیں مرے نقشِ ہائے پا کی طرح

کہاں تھا ہوش کہ میں عرضِ مدعا کرتا
گذر گئے وہ مرے پاس سے ہوا کی طرح

دھیان تک نہ دیا میرے ہم نشینوں نے
میں گونجتا رہا صحرا میں اک صدا کی طرح

وہ جن کی یاد کی خوشبو مجھے ستاتی ہے
بسے ہوئے ہیں مرے ذہن میں صبا کی طرح

وفا کی ریت ہمیشہ سے کچھ نرالی ہے
جزا بھی ملتی ہے اس راہ میں سزا کی طرح

کبھی تو آؤ کہ دل کو قرار آ جائے
چلے بھی آؤ کسی روز تم قضا کی طرح

غزل

چپ رہو اتنا نہ بولو باؤلے ہو جاؤ گے
کچھ نہیں تو کم سے کم تم کھوکھلے ہو جاؤ گے

ہم سیہ بختوں پہ ہو گے اس قدر تم مہرباں
کیا خبر تھی ایک دن اتنے بھلے ہو جاؤ گے!

درد کی تم دھوپ میں جلتے رہے تو دیکھنا
خوش جمالو! مہ جبینو! سانولے ہو جاؤ گے

چڑھتے سورج! ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ تم
ظلمتوں کا اک سمندر دن ڈھلے ہو جاؤ گے

ریگ زارِ تیرگی میں چلنے والے تم ہی لوگ
رفتہ رفتہ روشنی کے قافلے ہو جاؤ گے

کیا خبر تھی ساتھیو! تم لوگ ہمّت ہار کر
دشت کی پہنائیوں میں آبلے ہو جاؤ گے

غزل

جب سوچ چکے ہیں کہ تڑپنا ہی نہیں ہے
تم ظلم کرو ہم کو سسکنا ہی نہیں ہے

اس طرح جئے جاتے ہیں دنیا میں کئی لوگ
ان لوگوں کو جیسے کبھی مرنا ہی نہیں ہے

اے سیم تنو! اتنا نہ اتراؤ کہ گویا
چڑھتے ہوئے سورج ہو اترنا ہی نہیں ہے

کیا خوف دہکتے ہوئے سورج کا کریں گے
سائے تلے جن کو کبھی چلنا ہی نہیں ہے

کیا بھاگ رہے ہو کسی آواز کے پیچھے
وہ سایہ ہے اُس کو کبھی ملنا ہی نہیں ہے

اس بار کچھ اس طرح سے بکھری ہیں وہ زلفیں
جیسے کہ اُنہیں اور سنورنا ہی نہیں ہے

تین شعر

ہائے وہ درد کی شدّت وہ تڑپنا دل کا
ایسی تکلیف کہ مرجانے کو جی چاہتا ہے
گھر کی تنہائی سے گھبرا کے سڑک پہ آئے
اور اب دیکھئے گھر جانے کو جی چاہتا ہے
جب سے رُخ ایک نیا دیکھا ہے میں نے اس کا
اُس کی تصویر سے ڈر جانے کو جی چاہتا ہے

شریکِ حیات کے نام

مانتا ہوں تو نے دیکھے تھے کئی رنگین خواب
اور اب اُن کی حقیقت جیسے صحرا کے سراب

ہاں یہ سچ ہے اے مری ہمراہ تجھ کو میں لئے
وادیٔ پرُخار میں بھٹکا پھرا ہوں ہر طرف
پائے نازک میں ترے کچھ پڑ گئے ہیں آبلے

ہاں یہ سچ ہے ان دہکتے ریگ زاروں میں تری
چلچلاتی دھوپ میں صحرا نوردی ہے محال

ساتھ دیتا ہے کوئی کب دشتِ غربت میں مگر
تیری ہستی سائے کی مانند میرے ساتھ ہے

اے انیسِ شامِ غربت! اے رفیقِ صبحِ غم!
ہاں یہ سچ ہے خواب تیرا تشنۂ تعبیر ہے

تجھ کو وہ پہلی سی آسائش میسّر اب نہیں
گردشِ ایّام تیری اندنوں تقدیر ہے

لیکن اس پہ بھی تو صبر و شکر کی تصویر ہے

سیاہئ شب

سیاہئ شب

مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے

کہ جیسے کوئی سیاہ ناگن

کرن کی دہلیز پر کھڑی ہو

اگر وہ باہر قدم نکالے

تو اس کو ڈس کر ہلاک کر دے

کرن ——!

اندھیرے سے اتنی خائف

کہ جیسے کوئی حسین ہرنی

کسی درندے کے ڈر سے جا کر

گھنے درختوں میں چھپ گئی ہو

وہ خوف سے تھرتھرا رہی ہو
کہ جیسے طوفاں سے شاخ کانپے
وہ چاروں جانب
ہراساں نظروں سے تک رہی ہو

کرن ہے خائف
سیاہی غالب۔!
نہ جانے کب تیرگی کٹے گی
نہ جانے کب روشنی ملے گی

غزل

جب مری آنکھ غم سے بھر آئے
کوئی اُس وقت آ کے سمجھائے

مجھ کو اکثر ستانے آتے ہیں
تیری یادوں کے سُرمگیں سائے

صبحِ رنگیں کو ڈھونڈنے والو!
ظلمتِ شب کہیں نہ بڑھ جائے

سوچیے اُس کے درد کا عالم
دل پہ اپنوں سے چوٹ جو کھائے

دوستو! مجھ کو بھولنے والا
کیوں مجھے یاد بار بار آئے

اک فقط بازگشت تھی اپنی
ہم انہیں بارہا پکار آئے

پھر مرے ذہن کے دریچے سے
جانے کیا دیکھنے چلے آئے

غزل

آج جس پہ آگیا ہے دل بہت
تیغِ ابرو اُس کی ہے قاتل بہت

اب نہ شاید ہو سکے اس کا علاج
دل ہے میرا چارہ گر گھائل بہت

پھر وہ گل مہکے وہ چھٹکی چاندنی
پھر کسی پہ دل ہوا مائل بہت

اُس بتِ کافر ادا کے شہر میں
آگئے ہیں حُسن کے سائل بہت

ہوگیا ہے وہ مرے اخلاص کا
بعد میری موت کے قائل بہت

بج رہی ہے کیوں جنوں والوں کی آج
پیر کی زنجیر کی پائل بہت

ایک بھی لیلیٰ نہیں آئی نظر
گو ہیں اب بھی نجد میں محمل بہت

دور ساحل اور تلاطم الاماں!
درمیاں گرداب بھی حائل بہت

غزل

اور ہی دن تھے چلا کرتے تھے دیوانوں پہ سنگ
اب تو یارو پھینکتے ہیں لوگ فرزانوں پہ سنگ

کیا کسی آسیب کا مسکن بنا ہے ان دنوں
کون آخر پھینکتا ہے دل کے ایوانوں پہ سنگ

بارشِ لطف و کرم اُس شوخ کی تو دیکھیے
بوالہوس پہ برگِ گل اور سوختہ جانوں پہ سنگ!

دیکھیے اہلِ جنوں پہ ہوش والوں کا کرم!
پھینکتے ہیں اب بھی آ کر اُن کے زندانوں پہ سنگ

جب سے اہلِ درد کے آنے کی آئی ہے خبر
حُسن والوں نے سجا رکھے ہیں ایوانوں پہ سنگ

کچھ تو امیدیں بندھی ہیں کچھ تو ڈھارس ہو گئی
میں نے مانا مے کشو برسا ہے میخانوں پہ سنگ

بے رخی ایسی بھی کیا ہے کچھ تو کیجئے التفات
اس طرح مت پھینکئے دل کے صنم خانوں پہ سنگ

غزل

دل میں ہے ایک صدائے یاہو
اور ہے آنکھ سے جاری آنسو

قریہ و شہر ہیں ویراں ویراں
جیسے آسیب کا گھر ہو ہر سو

اے دلِ زار اُنہیں یادوں کی
ذہن میں پھیل رہی ہے خوشبو

کیسے میخانے پہ بادل چھائے
کیا کسی شوخ نے کھولے گیسو؟

اے مجھے بھولنے والے سچ کہہ
کیوں تری آنکھ سے ٹپکے آنسو؟

دل کی ویرانی کا عالم مت پوچھ
ہر طرف ایک صدائے یاہُو

شب گزیدوں سے کہو مژدہ ہو
صحن میں رقص کناں ہیں جگنو

احساسِ فراق

ماہ و انجم، کنول ستارے سنو
جب وہ مہ وش نہیں ہے اپنے پاس
بادِ ابرِ بہار ہے بے کیف
چاندنی مضمحل ہے چاند اداس
اُس کی فرقت کا کس قدر احساس!

ہلکی ہلکی پھوار سے گویا
بھیگتا جا رہا ہے شب کا لباس
ہجر کی رات، یہ فضائے حسیں
اور کچھ بڑھ گئی ہے دل کی پیاس
اس کی فرقت کا کس قدر احساس!

مہکی مہکی ہوائیں بے لذّت
نکہتِ زلفِ گل نہ آئی راس
آج کی شب میں دلفگاروں کو
اب کہاں ہوش اور کیسا حواس
اس کی فرقت کا کس قدر احساس!

آج اس کے بغیر اے پاشا
جیسے پھولوں میں ہو نہ کوئی باس
جیسے کالی گھٹائیں لگتی ہوں
مضمحل مضمحل اداس اداس
اُس کی فرقت کا کس قدر احساس!

فاصلے کی خلیج

ہائے دوری
یہ فاصلے کی خلیج
میرے سینے سے ہوک اُٹھتی ہے
جب بھی میں سوچتا ہوں اے ہمدم!
تیری قربت مجھے نصیب نہیں ——!

آج کیوں دوستو سرِ مژگاں
صبحِ صادق سے کچھ ستارے ہیں
جگمگاتے ہیں ٹوٹ جاتے ہیں
آج کیوں اُس کی یاد آئی ہے
جس سے وابستہ زندگی کی بہار ——!

آج رہ رہ کے لوٹتا ہے ذہن
ماضیٔ پُر بہار کی جانب
آہ رہ رہ کے ایک مدّت بعد
تیری یادوں کی خوشبوؤں سے پھر
ذہن کے بام و در مہک اٹھّے ــــــــ!

جب بھی سوچا ہے میں نے اے ہمدم
تیری قربت مجھے نصیب نہیں
میرے دل سے دھواں سا اُٹھّا ہے
میری آنکھوں سے خون ٹپکا ہے
اور دل نے یہ بار بار کہا
ہائے دوری
یہ فاصلے کی خلیج ــــــــ!

★★★

قافلۂ سخت جان

ہر طرف مایوسیاں
محرومیاں، مجبوریاں
ہر طرف تنہائیاں
بے چارگی تاریکیاں
راستے سنسان سے
موت سی خاموشیاں

عرصۂ گہہ چرخ پر
کوندتی ہیں بجلیاں
دشتِ شبِ تار میں
بوم کوئی نوحہ خواں
بادِ سبک سیر بھی
لیتی ہوئی سسکیاں
قافلۂ سخت جاں
پھر بھی رواں اور دواں

ظلمتوں کا قافلہ
تیرگی کا سلسلہ
ہر طرف سنگِ گراں
کون سا ہے مرحلہ؟

ابرِ سیاہ خیمہ زن
تیز ہے کتنی ہوا !!

راہ ایسی سخت کہ
راہیٔ شکستہ پا
چیخ اُٹھے "اُف خدا"

قافلہ سخت جاں
پھر بھی رواں اور دواں

ہم

ہم شہیدانِ وفا کے وارث
ہم سے آشفتہ سری ہے منسوب
ہم سے ہے دار و رسن کی رونق
ہم سے منصور کا ہے نام بلند
ہم نے زہرآب محبّت پی کر
آج سقراط کو زندہ رکھا

ہم لئے عزم و یقین کی قندیل
تیرہ و تار بیابانوں میں
کو بکو مارے پھرے
آبلہ پائی کی ہے

تیری خاطر ——— !

★★

غزل

دردِ غم آج بھی ہے آہ فغاں آج بھی ہے
تیرگی کا وہی سیلاب رواں آج بھی ہے

اے مسیحا نفسو! تم کو خبر ہے کہ نہیں
دل کی بستی سے مرے اٹھتا دھواں آج بھی ہے

ہے غلط دعویٰ مشاطگیِ کاکلِ دہر
گیسوئے زیست پریشان یہاں آج بھی ہے

کیوں سرِ شام مژہ سے مری تارے ٹوٹے
چاندنی کا وہی پُر کیف سماں آج بھی ہے

دے خبر جا کے کوئی شہرِ بتاں میں کہ ندیم
قدر دانِ ستمِ گل بدناں آج بھی ہے

غزل

چاندنی رات ہے بیداری ہے تنہائی ہے
ہائے کس وقت تری یاد مجھے آئی ہے

پھول کھلتے ہیں تو زخموں کا گماں ہوتا ہے
لوگ کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آئی ہے

طوق و زنداں و سلاسل مری تقدیر بنے
کون سے جرم کی یارب یہ سزا پائی ہے

راہ تاریک ہے ملتا نہیں منزل کا سراغ
ہائے قسمت مجھے کس موڑ پہ لے آئی ہے

ہم ہی وہ اہلِ جنوں تھے کہ چلے آئے ہیں
موت جس راہ سے آتے ہوئے گھبرائی ہے

پاشا اور اُس کا فن

سابق مشرقی پاکستان، میرے خوابوں کی سرزمین اور میرا نظریاتی وطن تھا۔ جب قیام پاکستان کے بعد، مجھے اس کے سبز و شاداب دامن میں پناہ مل گئی تو میرے دل سے اپنے آبائی وطن کے چھٹنے کا زخم رفتہ رفتہ مندمل ہو گیا۔ اس تناظر میں کبھی سوچتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر نظریاتی رشتے کا خون کے رشتے سے مضبوط ہونا درست ہے تو یہ بھی درست ہے کہ نظریاتی وطن بھی اپنی دلربائی و دلکشی میں آبائی وطن سے کم تر نہیں ہوتا، اور اس کے خار و خس بھی، سنبل و ریحاں کی نزاکت و نکہت سے خالی نہیں ہوتے، چنانچہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی، جہاں ایک قومی سانحہ ہے، وہاں وہ میرے لئے انفرادی المیہ بھی ہے اور اس المیئے سے دل اس قدر متاثر و مجروح ہوا ہے کہ آج بھی اس کی یاد آنسوؤں بغیر کبھی نہیں آتی۔

مشرقی پاکستان میں اس نئے رشتے کے پس منظر میں، میں نے اپنی زندگی کا سب سے طویل اور سب سے مصروف حصہ گزارا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قیام پاکستان نے زندگی کے ہر شعبے میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ ہر پاکستانی کا دل نئے ولولوں اور امنگوں سے معمور تھا۔ ابتدائے پاکستان کی تعمیر و ترقی میں جس جوشِ عمل اور جس خروشِ حب الوطنی

کا اظہار کیا گیا' اس کی نظیر، کہیں اور بمشکل ملے گی۔ چنانچہ روز بروز مشرقی
پاکستان کی قومی سرگرمیوں میں شدت و وسعت پیدا ہونے لگی اور اسی
تناسب سے، اردو کی ترویج و اشاعت کا دائرۂ عمل بھی، وسیع سے وسیع تر
ہونے لگا، چنانچہ مشرقی پاکستان میں اُردو کے ایک ادنیٰ خادم ہونے کے
ناتے، ڈھاکے میں خصوصاً اور دوسرے اضلاع میں عموماً اردو کی کوئی تحریک
و تنظیم ایسی نہ تھی، جس سے میں کسی نہ کسی عنوان سے، بلاواسطہ یا بالواسطہ
وابستہ نہ رہا۔ اس سے مجھے سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ مشہور و مستند
ادیبوں اور شاعروں کے جلو میں، نئے ابھرنے والے فنکاروں سے بھی، میں
برابر واقف ہوتا رہا۔ سابق مشرقی پاکستان میں، اُردو کے مسلسل فروغ
کے ضمن میں، یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہر پانچ، چھ سال کے بعد نئی نسل کے
بہت سے جواں سال و جواں فکر فنکار، کاروانِ اردو میں شامل ہوتے
رہے' اور اس کاروان اردو کو تسلسل کے ساتھ تازہ بتازہ ولولہ اور
تازہ بتازہ لہو ملتا رہا، جس کی وجہ سے اس کی گرمیٔ رفتار کبھی مدھم نہ ہوئی
نئے' اور پرانے فنکاروں کے اس فطری امتزاج و اتصال نے اردو ادب میں
ایک نئے دبستانِ فکر و نظر کو جنم دیا، جو اپنے مخصوص رنگ و آہنگ کے
باعث دوسرے مکاتیب خیال سے، بآسانی متمیز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس
ہے کہ سنہ ۱۹۷۱ء کے خونی انقلاب نے اس دبستان فکر و خیال کو پورے طور
پر تشکیل پذیر ہونے نہ دیا اور عمر بیچ سے سلسلۂ عمر ٹوٹ گیا۔ پھر بھی
اردو، بنگلہ دیش میں اب بھی اپنے پرستاروں کے ساتھ اپنی سخت جانی کا

ثبوت دے رہی ہے، موجودہ نامساعد حالات میں، میں اپنے بنگلہ دیش کے اردو فنکاروں سے اس کے سوا اور کیا گذارش کرسکتا ہوں کہ ع

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ!

بہرحال "نشاطِ کرب" کا شاعر، مشرقی پاکستان کی اس نئی پود سے تعلق رکھتا ہے، جس کی آخری ٹولی، سنہ ۱۹۶۰ء کے بعد کاروانِ اردو میں شریک ہوئی، البتہ اردو کی سرگرمیوں سے اتنی گہری وابستگی کے باوجود میں "نشاطِ کرب" کے اس شاعر سے کراچی پہنچنے تک، قطعی ناواقف رہا، جو اُن کی ذات کے نہاں خانے میں خاموشی سے نمو پذیر تھا۔ ویسے جاننے کو تو میں انہیں، ان کے لڑکپن سے جانتا پہچانتا ہوں۔ انھوں نے ڈھاکے ہی میں اپنی تعلیم و تدریس مکمل کی اور وہ، وہاں کی ادبی و شعری محفلوں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے، مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ ان کی شرکت شاذ ہی محسوس کی جاتی تھی۔ اُن کی اس خصوصیت کو میں، ان کی فطری خاکساری و انکسار پسندی کا نتیجہ سمجھتا ہوں، کیونکہ اب یہی خصوصیت اُن کی سیرت کی سب سے زیادہ نمایاں اور دلکش عنصر بن گئی ہے۔

سنہ ۱۹۷۱ء کے اوائل کی بات ہے۔ مشرقی پاکستان میں، پاکستانی فوجیں بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھیں، بظاہر حالات مائل بہ سکون نظر آرہے تھے۔ اسی اثنا میں پاشا رحمان کا تبادلہ کراچی ہوگیا۔ کراچی روانہ ہونے سے پہلے، انھوں نے محمد پور میں، اپنے گھر پر ایک مختصر سی شعری محفل کا اہتمام کیا۔ اس محفل کے، ہمارے مشترک دوست اور مشرقی پاکستان

کے ممتاز شاعر و ادیب شمس شیدائی مہمان خاص تھے، پاشا کی دعوت پر میں بھی شریک محفل تھا۔ نہایت دلچسپ اور پُر لطف صحبت تھی۔ کچھ دنوں کے بعد پاشا کراچی چلے آئے، اس شعری محفل سے مجھے ان کے شعری و ادبی ذوق کا کافی اندازہ ہوا، مگر اُن کی شعر گوئی کا راز پھر بھی راز ہی رہا۔ جب میں ۱۹۷۴ء کے اوائل میں، ساری مصیبتوں اور آفتوں کو جھیل کر ڈھاکے سے کراچی پہنچا تو جو لوگ میرے درد، دکھ میں سہیم و شریک ہونے میں پہل کی، ان میں پاشا بہت نمایاں تھے، میں تقریباً ان کے والد ماجد کا ہم عمر ہوں، اس لئے ہم دونوں کے مابین رشتہ دوستی تو قائم نہیں ہو سکتا تھا، مگر اس کی جگہ احترام و اخلاص کا رشتہ استوار ہو گیا اور جوں، جوں وقت گزرتا جاتا ہے، اس میں گیرائی اور گہرائی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ جب میرے ہوش و حواس کچھ بجا ہوئے اور شعر و ادب کی طرف پھر دھیان جانے لگا تو صاحب "نشاط کرب" کے دل کا چور پکڑا گیا، شعر گوئی کی لت تو انہیں مشرقی پاکستان ہی میں لگ چکی تھی، مگر اس کے علائم کراچی میں نمایاں ہوئے۔ جب ہمارے تعلقات میں کچھ بے تکلفی پیدا ہو گئی تو پاشا رحمان کی "ناطورۂ شعری" بے نقاب ہو کر سامنے آگئی۔ اس کی فطری خوبصورتی و رعنائی اور دلکشی و برنائی سے میں بیک وقت مسرور بھی ہوا اور مسحور بھی، حیران بھی ہوا اور شادماں بھی۔ پھر اُن کے اشعار نشستوں میں بھی سنے اور رسائل میں بھی پڑھے۔ ان کے اشعار کے ساتھ ساتھ ان کے افسانے اور مقالے بھی رسالوں میں نظروں سے گزرنے لگے۔ اب تو

ان کی مقالہ نگاری کی رفتار پہلے سے بہت تیز ہوگئی ہے مگر شاعری سے خصوصاً غزل گوئی سے ان کی وابستگی قطعی متاثر نظر نہیں آتی جس کا بیّن ثبوت "نشاطِ کرب" کا منصۂ شہود پر آنا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس طرح شعری و ادبی تخلیقات اپنے عصری میلانات و رجحانات اور معیشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی عوامل و اقدار کی ترجمان ہوتی ہیں، اسی طرح وہ اپنے فنکاروں کی سیرت و شخصیت اور ذوق و وجدان کی بھی آئینہ داری کرتی ہے۔ بعض نقادانِ فن کا قول ہے کہ اچھے فن پارے، وہی فنکار تخلیق کر سکتے ہیں جو، اچھے انسان بھی ہوں۔ مگر تجربوں اور مشاہدوں سے اس قول کی صداقت کلیتہً ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے اسے، ایک ادبی کلیہ کی بجائے، ایک ادبی آرزو سمجھنے میں زیادہ عافیت نظر آتی ہے۔ البتہ پاشا رحمان اپنی سیرت و شخصیت کے اعتبار اسی ادبی کلیے کی زد یا ضمن میں آتے ہیں۔

پاشا رحمان کو قدرت کی طرف سے ایک دردمند، ہمدرد اور خدا ترس دل ملا ہے اور ظاہر ہے، ادبی و شعری تخلیقات میں، ایسا دل خشتِ اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر اُن کی سادگی، انکساری، تواضع، اور حفظِ مراتب کے لحاظ سے ان کی سیرت و شخصیت کی کشش و پاکیزگی، اور سنور اور نکھر جاتی ہے۔ تصنع، ظاہر داری اور مصلحت کوشی سے ان کا مزاج نہ کبھی آشنا ہوا اور نہ ہم آہنگ۔ وہ ایک ممتاز عہدے پر فائز ہیں، اور ایسے محکمے سے تعلق رکھتے ہیں جس کی "زرسازی" اہل دنیا کے لئے مثالی

حیثیت رکھتی ہے، لیکن ان کی سیرت اس آلودگی سے اس طرح پاک اور الگ ہے، جس طرح پانی سے کوئی سرکشیدہ کنول کا پھول۔ دوسروں کے کام آنا اور دوسروں کے دکھ سکھ میں بے محابا شریک ہونا ان کی سیرت کی سب سے زیادہ نمایاں و نمائندہ خصوصیت ہے، جسے ان کا ہر ملنے والا بہت جلد محسوس کرنے لگتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ "جذبۂ خدمت" کسی تمیز و تفریق اور صلہ و ستائش سے قطعی متاثر و آلودہ نہیں ہوتا، وہ جتنی محنت و توجہ سے کسی کا کام کرتے ہیں، اس سے زیادہ وہ اسے چھپانے میں حزم و احتیاط برتتے ہیں، جس سے نہ صرف ان کی بلند اخلاقی ظاہر ہوتی ہے، بلکہ بلند ظرفی بھی۔ پاشا رحمان پاکستان کی تحریک و تکمیل کے دوران پروان چڑھے ہیں، اس لئے اسلام اور شعائر اسلام سے ان کی وابستگی و شیفتگی قدرتی ہے۔ وہ خدا سے ڈرتے اور رسولِ خدا سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ وہ پاکستانی قومیت میں ایمان رکھتے اور پاکستانی ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ کسی اور نظامِ حیات کے حامیوں کے سامنے ان کا رویہ پُراعتماد ہوتا ہے، معذرت خواہانہ نہیں، یہ خصوصیت اُن میں، اپنی ذات پر اعتبار و ایقان سے پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ ان کا آئینۂ خیال ہر قسم کی ادبی، سیاسی اور نظریاتی کدورتوں اور عصبیتوں سے پاک و صاف ہے، ان کی اس وسیع المشربی کی تعمیر و ترقی میں اردو، فارسی اور مغربی ادبیات کے قدیم و جدید ذخائر کے بیک وقت ہمدردانہ، متعلمانہ اور ناقدانہ وسیع و عمیق مطالعہ نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اسی لئے جہاں وہ رومی، غالب

اور اقبال کے معتقد و مداح ہیں، وہیں وہ فیض اور اختر الایمان کے بھی معترف و خوشہ چیں ہیں۔ وہ فن پاروں میں حُسن، توازن اور چابکدستی کو ضروری سمجھتے ہیں اور جس فنکار کے ہاں یہ عناصر پائے جاتے ہیں وہ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ فن پاروں کو "فنی پیمانے" سے ناپنے کے قائل ہیں، سیاسی اور نظریاتی زاویئے سے نہیں۔ وہ روائتی اور قدیم شعر و ادب کے اتنا ہی پرستار ہیں، جتنا جدید شعر و ادب کے۔ اس لئے وہ روایت سے بغاوت کے قائل نہیں، بلکہ روایت میں جدّت و ندرت کے۔ وہ شاندار حال اور تابناک مستقبل کے لئے ماضی سے مربوط رہنے کو لازمی سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کی غزلوں اور نظموں میں قدیم و جدید رنگ و آہنگ کا بہترین امتزاج ملتا ہے۔ "نشاطِ کرب" میں قدیم رنگ سخن سی بے کیفی و خشکی ملے گی اور نہ جدید طرزِ سخن کی انتہا پسندی اور بے لگامی۔ چنانچہ ان کے قدیم پیمانوں میں بھی تازگی و شگفتگی ملے گی اور ان کے جدید پیمانوں بھی کلاسیکی جمال و توازن کے جلوے نظر آئیں گے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جس طرح یاشار رحمان کی سیرت، سادگی، فروتنی اور دردمندی سے عبارت ہے، اسی طرح ان کی شاعری بھی حُسن، توازن اور دلکشی سے متصف ہے۔ وہ عصرِ جدید کے پروردہ اور پرداختہ ہیں، اس لئے ان کی شعری فکر بالکل جدید ہے۔ مگر انھوں نے "جدیدیت" کے بے ہنگم پن سے اپنے شعری اسلوبِ اظہار اور فکری تنظیم کو محفوظ رکھا ہے اور یہیں سے وہ جدید شعراء سے علیحدہ پہچانے جاتے ہیں۔

پاشا رحمان نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی۔ ان کی نظمیں کہیں پابند ہیں اور کہیں آزاد، مگر شعری بے راہ روی اور فنی سہل انگاری کہیں شاذ ہی نظر آئے، جس طرح وہ اپنے اخلاق و آداب میں محتاط و متوازن ہیں، اسی طرح وہ زبان، بیان اور اظہار میں بھی متناسب و متوازی ہیں اور یہ خوبیاں ان کی سیرت اور شاعری دونوں میں یکساں کارفرما ہیں۔

پاشا رحمان نے زندگی کے تاریک و روشن دونوں پہلوؤں کا گہری نظر سے مطالعہ اور شعوری طور پر تجربہ کیا ہے۔ وہ کئی خونیں انقلاب کے ہدف بھی رہے اور نظارگی بھی۔ اس لئے انھیں زندگی نے درد و کرب میں بھی نشاط اندوزی کا ایسا سلیقہ سکھا دیا ہے، جس سے انسانی عزم و ارادہ، مصائب و مسائل کے مسلسل حملوں سے پست و درماندہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کی شاعری میں تلخیوں اور آزردگیوں کی بجائے درد و کرب میں بھی نشاط اندوزی کا انداز ملتا ہے، جس سے زندگی سے بیزاری نہیں، بلکہ پیار جنم لیتا ہے اور یہ ان کی شاعری کی ایک ممتاز خصوصیت ہے۔ اس لئے ان کا مجموعۂ کلام اسم بامسمیٰ ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پاشا رحمان کو پیغمبر اسلام سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے، —— چنانچہ "نشاطِ کرب" کا آغاز نعت سے ہوا ہے۔ یہ نعت بھی ان کی شعری تازگی و تازہ کاری کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ نعت کا یہ شعر "نشاطِ کرب" کے ہر قاری کی توجہ اپنی طرف ضرور منعطف کرے گا۔

سر پہ سورج رہے اور پیر ہوں انگاروں پر
آپؐ ہی کی کروں تقلید، رسولِ عربی

دوسرے اکابرین اسلام سے بھی انہیں غائت عقیدت ہے، خصوصاً حضرت امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ سے وہ اس قدر متاثر ہیں کہ آپ کی ذات اقدس، کربلا، فرات، وغیرہ کو انھوں نے اپنے کلام میں علامتی حیثیت سے جابجا نہایت حسن و خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے، اس ضمن میں دو چار اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

ظلم ہر دَور میں ہوتا رہا شبیرؑ کے ساتھ
لوگ ہر دَور میں ہوتے رہے شمشیر کے ساتھ

شبیرؑ عہدِ نوؑ کا طرف دار کون ہے؟
جرمِ وفا پہ آج سرِ دار کون ہے؟

اے موجِ آب دجلہ واے ساحلِ فرات!
ابنِ علیؓ کا آج عزادار کون ہے؟

پاشا رحمان کے افکار و اظہار اور لب و لہجہ میں بڑی دلکشی و تازگی ہے، انھوں نے موجودہ زمانے کے مسائل کو نہایت شاعرانہ اور فنکارانہ انداز سے اپنی شاعری میں سمویا ہے، چنانچہ ان کے کم و بیش ہر شعر میں ندرت و تازگی اور حلاوت و سادگی محسوس ہوتی ہے۔ ان کے افکار جدید ہوتے ہوئے بھی قدیم کی صحت و صفائی اور قدیم ہوتے ہوئے بھی جدید کی ندرت و رعنائی کے مظہر ہیں اور یہ ایسی خوبی ہے جو

انہیں جدید اور جواں فکر شعرا میں ایک ممتاز و منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ میں اپنے اس خیال کی تائید میں یہ چند شعر پیش کرتا ہوں ؎

جب وہ آسیب زدہ دشت سے گزرا تو لگا
جیسے نوخیز سی بیوہ کا ہے آنچل دریا

اب اسی شہر میں برساتے ہیں پتھر ہم پر
ہم جہاں لائے گئے تھے بڑی توقیر کے ساتھ

نہ جانے رات بھر کیوں سوچتا ہوں
یہ زنداں ہے مرا کمرہ نہیں ہے

زلفیں کسی کے رُخ پہ پریشاں ہے اس طرح
سورج نے جیسے ابر بچھایا تھا دھوپ میں

رات تھی کتنی گھٹن، اس کا عالم نہ پوچھئے
جس سے گھبرا کے نکلا، گھر کے باہر سو گیا

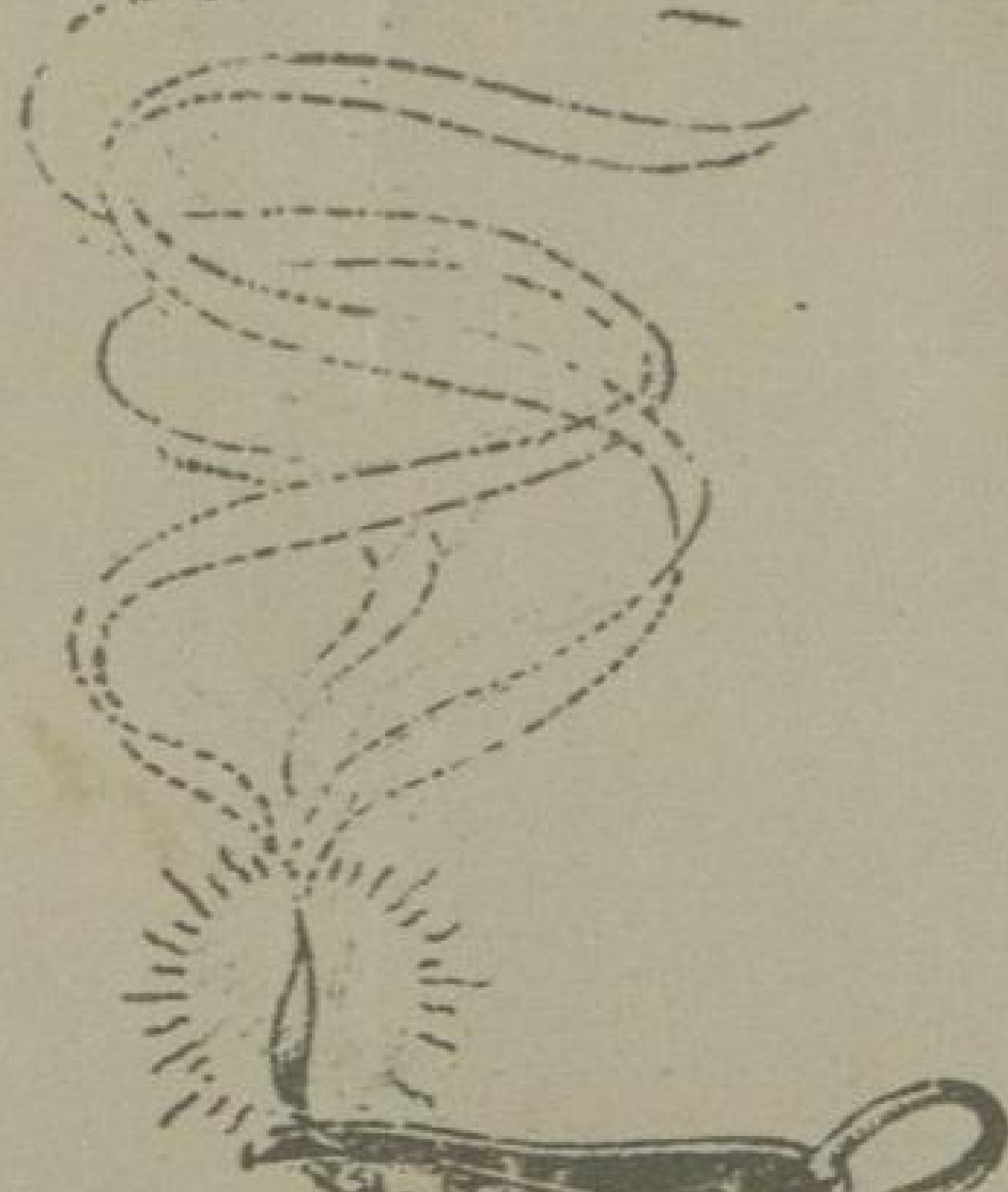
میری تربت پہ لگا دینا یہ کتبہ یارو!
"ہے یہ وہ شخص کہ لڑتا رہا تقدیر کے ساتھ"

چپکے چپکے شمع سوزاں رات بھر روتی رہی
رکھ کے اپنے سامنے محفل میں پروانے کی خاک

کسی سے کیسے کہے، کوئی تجربہ دل کا
عجیب سانحہ ہوتا ہے، سانحہ دل کا

مندرجہ بالا چند اشعار مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، حالانکہ "نشاطِ کرب" کا دامن ایسے اشعار سے مالامال ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یاسؔ شار رحمان نے مشق و مزاولت کی ساری منزلیں طے کر لی ہیں، البتہ انھوں نے جتنی منزلیں، جتنی کم مدت میں طے کی ہیں، ان سے ان کے شاندار مستقبل کی نشان دہی ہوتی ہے اور میری آرزو یہی ہے کہ وہ جلد از جلد اس شاندار مستقبل سے ہمکنار ہو جائیں، آمین!

افسرؔ ماہ پوری



پاشا رحمٰن اُن شعرا میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں جن کی شاعرانہ صلاحیتوں نے گذشتہ دس بارہ برس میں ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ ان کی شاعری بیک وقت قدیم و جدید کا خوشگوار امتزاج ہے۔ قدیم ان معنوں میں کہ اُنھوں نے ادب کی کلاسیکی روایات سے اپنا رشتہ نہیں توڑا اور جدید ان معنوں میں کہ انھوں نے اپنی شاعری کو مخصوص روائتی شاعری نہیں بننے دیا۔

پاشا کی شاعری ایک آئینہ ہے جس میں ذاتی دُکھ اور غم ہی عکس فگن نہیں ہیں بلکہ شاعر کے عہد کا کرب بھی اپنی جھلک دِکھا رہا ہے۔ یہی غم اور یہی کرب شعری صداقت کا روپ دھار کر "نشاطِ کرب" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

مشفق خواجہ

جب کبھی شاعر اپنے کاندھوں پر دو ہجرتوں کی الم نصیبی اُٹھائے ہوئے ہو اور اس کے ذہن پر اندھے تعصبات کے گرداب میں انسانی رشتوں کی ناحکمی ہو تو اس کا دردمند دل کچھ سے کچھ ہو جانے سے زیادہ انسانیت کی اُن اعلیٰ اقدار کی گھنی چھاؤں کے لیے تڑپتا ہے جو ہر تعصب سے ماورا ہو کر مسافروں کے سروں پر ٹھنڈی چھاؤں کا شامیانہ تانے رہتا ہے۔

"نشاطِ کرب" ، پاشا رحمٰن کی شاعری کا اوّلین مجموعہ ہے۔ بہت دھیمے احساسات لیکن گہرے مرتسمات کی شاعری جو جدید لہجے کے ساتھ روائت کے تخلیقی سفر کی گھلاوٹ لیے ہوئے ہے۔ میرا خیال ہے کہ پاشا رحمٰن کی شاعری کی منفرد خصوصیت ایک ایسے انسان دوست شاعر کا اظہار ہے جس کے تجربات نے اُس کے لیے یاسیت پسندی کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا لیکن جس کے مضبوط آدرش اُسے آگے کی سمت میں لیے جا رہے ہیں۔ یہ ایک جرائت مند آواز ہے جس میں نغمگی اور حیرت ہے۔ ناشبائی کا غم اور مستقبل پر اعتماد ہے۔"

محمد علی صدیقی